تعلیم و تربیت

عبدالوحید۔ سیالکوٹ

عمارہ نسیم۔ سانگلہ

قاسم ملک۔ فیصل آباد

نثار احمد۔ کراچی

چالیسواں سال
دسواں شمارہ
ماہنامہ
تعلیم و تربیت
لاہور
جنوری 1981ء
مدیرِ اعلیٰ
عبدالسّلام خان
قیمت سالانہ : 33.00
ایک پرچہ : 3.00
یکے از مطبوعات :
فیروز سنز لمیٹڈ لاہور
مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ——— باہتمام عبدالسّلام خاں پرنٹر اور پبلشر

فہرست

پہلے یہ پڑھیے :

عزیز بچو ! آپ کے ہاتھوں میں اس وقت "تعلیم و تربیت" کا جو شمارہ ہے، یہ نئے سال کا پہلا شمارہ ہے۔ جنوری عیسوی سال 1981ء کا پہلا مہینا ہے لیکن اس مہینے کے ساتھ ساتھ نئی صدی ہجری 1401 کے تیسرے مہینے ربیع الاوّل کے بھی کچھ دن آ رہے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسی مہینے ربیع الاوّل میں اس دُنیا میں تشریف لائے تھے۔ اس اعتبار سے ہر مسلمان کی نظر میں یہ مہینا بہت زیادہ مبارک اور مقدّس ہے۔ اس مبارک اور مقدّس مہینے کی رعایت سے اس شمارے کا سرورق مسجدِ نبوی کے بارے میں ہے۔ آپ کو یہ بات معلوم ہو گی کہ حضورِ اکرمؐ کا روضۂ مبارک اسی مسجد کے ساتھ ایک طرف اپنے سبز گنبد کی صورت میں زیب و زینت کا باعث ہے جو ہر مسلمان کے دل کا سکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

اس شمارے میں آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی مبارک زندگی پر ایک مضمون بھی دیکھیں گے جو مختصر ہونے کے باوجود آپؐ کی زندگی کی کسی حد تک مکمّل جھلک کا کام دے گا۔

حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعریف اور شان میں ایک دو نعتیں اس کے علاوہ ہیں۔ نیز "ہمارے نبی نے فرمایا" کے عنوان سے آپ کے مبارک ارشادات کا سلسلہ تو آپ کچھ عرصے سے ہر بار اس رسالے میں دیکھ رہے ہیں۔ اُمّید ہے کہ آپ لوگ اس کو شوق اور دِلچسپی سے پڑھتے ہوں گے اور اللہ کی توفیق سے اس پر ممکن حد تک عمل بھی کرتے ہوں گے۔

سالنامے کے بارے میں اعلان آیندہ شمارے میں پڑھیے۔

(ایڈیٹر)

ہمارے نبیؐ نے فرمایا!

- دنیا میں اس طرح رہو جیسے ایک اجنبی یا مسافر ہوتا ہے۔ جب شام ہو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح ہو تو شام کا انتظار نہ کرو۔ اپنی صحت کے دنوں میں اپنی بیماری کے لیے اور اپنی زندگی میں اپنی موت کے لیے کچھ نہ کچھ حاصل کر لو۔
- جو شخص اپنے اطوار و عادات میں کسی اور قوم سے مل گیا تو وہ انھی میں سے سمجھا جائے گا۔
- خدا کو یاد رکھو، وہ تمھاری حفاظت کرے گا۔ خدا کو یاد رکھو تو اسے سامنے پاؤ گے۔ اور جب کچھ مانگو تو خدا سے مانگو۔ جب مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔
- دُنیا کے سلسلے میں بے رغبت ہو جاؤ، خُدا تمھیں محبُوب بنا لے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے، اس میں بے رغبت ہو جاؤ، لوگ تمھیں پسند کریں گے۔
- اللہ پرہیزگار، غنی اور چھپ کر خلوص سے عبادت کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔
- کسی انسان کے اسلام کی خُوبی یہ ہے کہ وہ اُن باتوں کو چھوڑ دے جو لایعنی اور فضول ہیں۔
- تمام انسان خطاکار ہیں اور بہتر خطاکار توبہ کر لینے والے ہیں۔
- خاموشی دانائی ہے اور اس پر عمل کرنے والے کم ہیں۔
- حسد سے بچو کیوں کہ حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے جیسا کہ آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے۔
- دینار، درہم اور مخمل کی چادر کا غلام ہلاک ہو کیوں کہ اگر اسے دیا جائے تو وہ خوش ہے اور اگر نہ دیا جائے تو ناراض ہے۔

حمد

افضال عاجز

بیاں کیسے ہو تیری حمد و ثنا
نہیں تجھ سے برتر کوئی دوسرا

زمیں آسمانوں کا خالق ہے تُو
کہ دونوں جہانوں کا رازق ہے تُو

ترے دم سے ہے گلستاں میں بہار
تری ہی بدولت گلوں میں نکھار

یہ چمکیلا سورج، یہ تارے، یہ چاند
ہو تیرا اِشارہ تو پڑ جائیں ماند

چرندے، پرندے اور انسان تمام
یہ لے لے کے جیتے ہیں سب تیرا نام

میں عاجز گنہگار بندہ ترا
خُدایا! مری بخش دے ہر خطا

نعتِ مُبارک
صلی اللہ علیہ وسلم
تاج الدین طیش

نظیرؔ لدھیانوی

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

(4)

قوم کی مخالفت

یہ سن کر وہ اُن کو ستانے لگے سب — مذاق اُن کا مل کر اُڑانے لگے سب
نماز اُن کو پڑھنے نہ دیتے تھے کافر — تھے ہر وقت تکلیف دینے کو حاضر
بچھا دیتے کانٹے کبھی راہ میں وہ — مُخل تھے کبھی ذکرِ اللہ میں وہ
کبھی کہتے: لوگوں سے دیوانہ ہیں یہ — خرد اور فراست سے بیگانہ ہیں یہ
فسوں گر ہیں یہ ان کی باتیں نہ سُنتا — چھُڑا دیں گے تم سے ابھی دینِ آبا
چچا سے کہا جا کے پھر مُفسدوں نے — کہ تیرے بھتیجے کو کد ہے بُتوں سے
جو اصنام اقوام کے دیوتا ہیں — انھیں یہ بُرا کہہ رہے برملا ہیں
امیں اور صادق جو کہتے رہے ہیں — وہ سب لوگ ان کے عدو بن گئے ہیں
محبّت سے، نرمی سے یا جور سے تم — انھیں روک لیجیے گا ہر طور سے تم

نہ مانیں تو اُن کی مدد ترک کر دیں
درست ان کو مل کر کے ہم آپ کر لیں

چچا کی نصیحت

چچا نے یہ سُن کر انھیں کی نصیحت — کہ بیٹا نہ دو قوم کو تُم اذیت
چچا کی نہ کوشش ہُوئی بار آور — کہا یہ اُنھوں نے کریں آپ باور
یہ ہاتھوں پہ رکھ دیں اگر مہر و مہ بھی — نہ چھوڑوں گا میں راہ صدق و صفا کی
چلوں گا بدستور اسی راہ پر میں — رکھوں گا یقیں یُوں ہی اللہ پر میں

دبے دھمکیوں سے نہ تکلیف سے یہ
پسیجے نہ تحریص و تحریف سے یہ

بائیکاٹ

بہم مل کے سب نے کیا مشورہ تب — کریں قطع ان سے ہر اک رابطہ اب
نہ رکھیں ملاپ ان کے کہنے سے کوئی — کریں ان پہ ہر طرح جور و تعدّی
ہر اک شخص نے میل جول ان سے چھوڑا — محبت اور الفت کے رشتوں کو توڑا

ہوا بائیکاٹ ان کا ہر سمت سے جب
تو گھاٹی میں جا کر بسے ہاشمی سب

بنی شعب بو طالب اب مرکز دیں — کہ ہیں جاگزیں اس میں مردانِ حق ہیں
کوئی شے نہ جب کھانے پینے کو پاتے — تو پیش آتے شام و سحر ان کو فاقے
گزارا کیا پتّوں اور گھاس ہی پر — ہٹے اپنے مسلک سے لیکن نہ دم بھر
تڑپتے تھے فاقوں سے جب ان کے بچّے — تو خوش ہو کے اہلِ جفا ناچتے تھے
کوئی لین دین ان سے کرتا نہیں تھا — کوئی اس طرف سے گزرتا نہیں تھا
وہاں جب کوئی پاس ان کے نہ آتا — سماں خوف و دہشت کا ہر سمت چھاتا

یونہی تین سال ان کے گھاٹی میں گزرے
رہے پر اسی طور محکم ارادے

طائف کا سفر

جو طائف نبیؐ بہرِ تبلیغ پہنچے — سنی بات کوئی نہ ان کی کسی نے
شریروں نے بوچھاڑ کی پتھّروں کی — پیمبرؑ ہوئے جن کی ضربوں سے زخمی
مگر آپؐ نے پھر بھی ہمّت نہ ہاری — رکھا کام اپنا بدستور جاری
بہت ان پہ اہلِ ستم نے جفا کی — ہوئی بارور پر نہ تدبیر کوئی

وہ جب تھک گئے کر کے ناکام کوشش
تو کی پھر انھیں قتل کرنے کی سازش
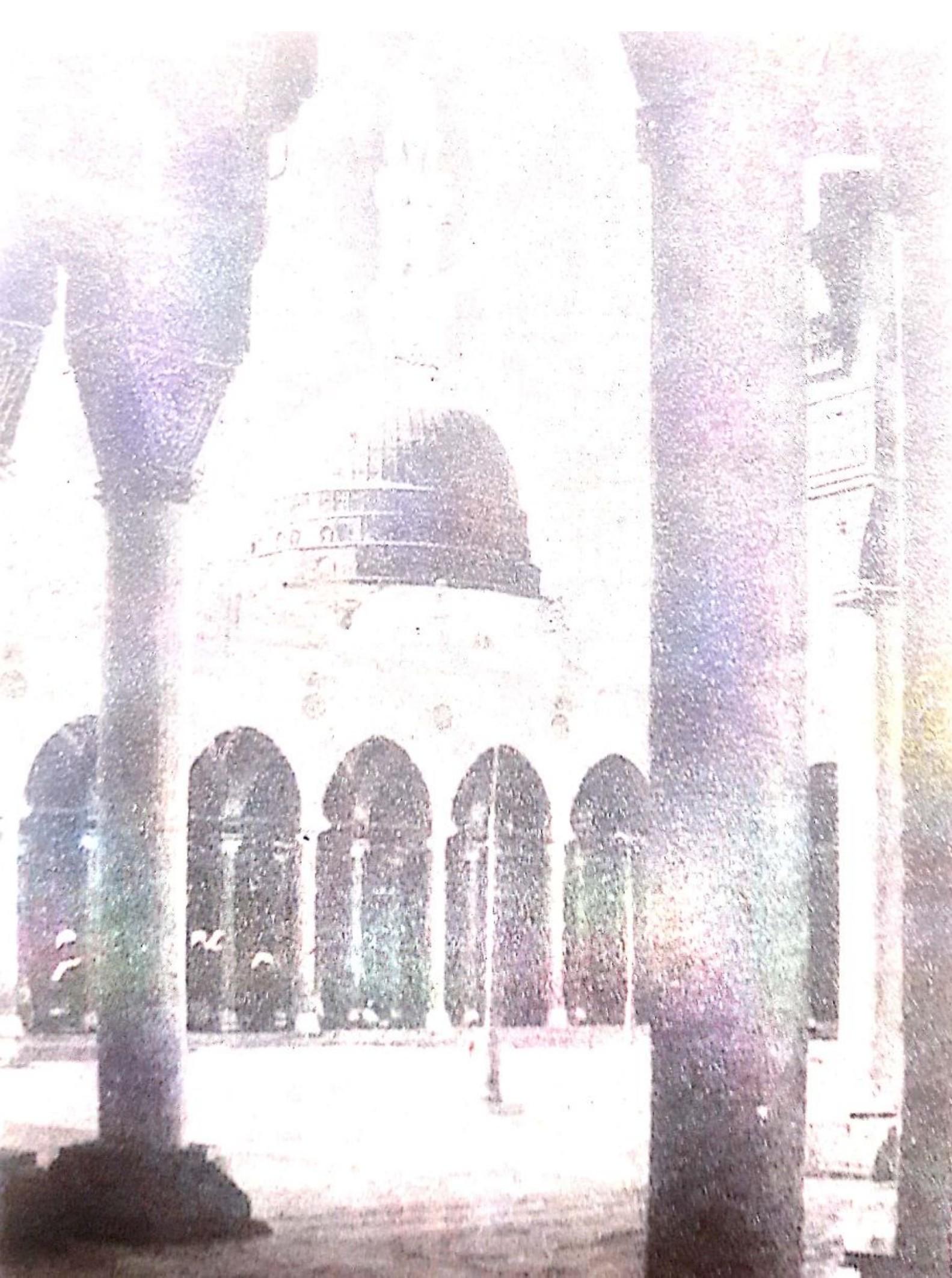
خاندان :

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے مشہور قبیلے قریش کے ایک فرد تھے۔ آپ کا قبیلہ سارے عرب میں بہت زیادہ با عزّت سمجھا جاتا تھا۔

آپؐ کے باپ کا نام عبداللہ اور دادا کا نام عبدالمطلب تھا۔ آپؐ کی والدہ ماجدہ کا نام حضرت آمنہؓ بنت وہب ہے۔ آپؐ کے والد آپ کی پیدائش سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔

آپؐ سوموار کو صُبح کے وقت پیدا ہوئے۔ آپ کی تاریخِ پیدائش ۹ ربیع الاوّل ہے بعض تاریخ دان ۱۲ اور ۱۳ ربیع الاوّل بھی بتاتے ہیں۔ انگریزی مہینے کے مطابق یہ تاریخ 22 اپریل 571ء تھی۔

آپؐ پیدا ہوئے تو آپؐ کے دادا نے آپ کا نام "محمدؐ" رکھا۔ آپؐ کی والدہ نے آپ کا نام "احمدؐ" رکھا جو انھیں آپؐ کے پیدا ہونے سے پہلے ایک فرشتے نے بتایا تھا۔ محمدؐ کا مطلب ہے جس کی بہت زیادہ تعریف کی گئی ہو اور احمدؐ کے معنی سب سے زیادہ (خُدا کی) تعریف کرنے والا ہے۔

جب آپؐ سات دن کے ہوئے تو آپؐ کا عقیقہ کیا گیا۔

پرورش :

اس زمانے میں مکّے کے لوگوں میں رواج تھا کہ بہتر پرورش کے لیے اپنے بچّوں کو پیدا ہونے کے کچھ ہی روز بعد صحرا یا دیہات میں بھیج دیتے تھے۔ اس مقصد کے لیے ہر سال دایہ عورتیں شہر میں آتی تھیں۔ آپؐ کو ساتھ لے جانے کا شرف قبیلۂ بنو سعد کی خوش نصیب عورت حضرت حلیمہؓ کے حصّے میں آیا۔ وہاں آپ چار پانچ برس تک رہے۔ اس مدّت میں ایک بار حضرت حلیمہؓ آپ کو لے کر آئیں اور آپؐ کی والدہ حضرت آمنہؓ سے ملا کر پھر واپس لے گئیں کیوں کہ ان دنوں مکّہ میں ایک بیماری پھیلی ہوئی تھی۔

حضرت حلیمہؓ کے اپنے بچّے بھی تھے۔ آپؐ نے جب ہوش سنبھالا تو آپؐ ان کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ اور ذرا بڑے ہو کر ان کے ساتھ مل کر بکریاں بھی چرایا کرتے تھے۔

بچپن :

حضرت حلیمہ رض کے گھر سے واپس آجانے کے بعد آپؐ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ رہنے لگے۔ آپؐ کے والد ماجد آپؐ کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ اس لیے ماں کو اپنے بچّے کا بہت خیال رہتا تھا۔ جب آپؐ کی عمر چھ برس کے قریب ہوئی تو آپؐ کی والدہ نے اپنے میکے یثرب جانے کا ارادہ فرمایا۔ وہ ہر سال اپنے خاوند کی قبر پر جایا کرتی تھیں۔ اس بار وہ آپؐ کو بھی ساتھ لے گئیں۔ وہاں وہ ایک ماہ ٹھہرنے کے بعد واپس مکّے آرہی تھیں کہ سفر ہی میں بیمار ہوئیں اور وفات پا گئیں۔

اس سفر میں آپؐ کی خادمہ امّ ایمن ساتھ تھیں۔ وہ آپؐ کو لے کر مکّے آئیں اور آپؐ کے دادا عبدالمطّلب کے سپرد کر دیا۔ اب آپؐ کے دادا آپؐ کی پرورش کرنے لگے۔ اس بات کو دو سال بھی نہ گزرے تھے کہ وہ بھی اس دُنیا کو چھوڑ گئے۔ دادا کی وفات کے وقت آپؐ کی عُمر کوئی آٹھ سال تھی۔

حضرت عبدالمطّلب اپنی وفات سے پہلے آپؐ کو حضرت ابوطالب کے سپرد کر گئے۔ جو آپؐ کے چچا تھے۔

شام کا پہلا سفر :

آپؐ بارہ برس کے تھے کہ آپؐ کے چچا ابُوطالب نے تجارت کے سلسلے میں شام کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ آپؐ کو چچا سے بہت لگاؤ ہو گیا تھا، اس لیے ساتھ چلنے پر ضد کرنے لگے۔ ابُوطالب راستے کی مشکلات کی وجہ سے آپؐ کو نہیں لے جانا چاہتے تھے لیکن آخر مجبُور ہو کر ساتھ لے گئے۔

ابوطالب راستے میں ایک عیسائی راہب بُحیرا سے ملے۔ وہ توراۃ اور انجیل کا عالم تھا۔ اس نے اپنی کتابوں میں آخری نبی کی جو نشانیاں پڑھی تھیں، وہ سب آپؐ میں موجود تھیں۔ اس نے یہ دیکھ کر ابوطالب سے کہا۔ اس بچّے کو ساتھ نہ لیے پھریں۔ مجھے ڈر ہے کہ یہودی پہچان کر اِن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

اللہ نے انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے مختلف زمانوں میں اپنے نبی اور رسول بھیجے ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے علاوہ باقی سب نبی اپنی اپنی قوم کے لیے آئے لیکن ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم قیامت تک کی تمام قوموں کے لیے آئے۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس لیے آپؐ کی زندگی قیامت تک انسانوں کی رہنمائی کرتی رہے گی۔

جوانی :

بچپن اور لڑکپن کی منزلیں طے کرنے کے بعد آپؐ جوانی کی عمر کو پہنچ گئے۔ جس طرح آپؐ کا بچپن اور لڑکپن عام بچوں اور لڑکوں سے الگ تھا اسی طرح آپؐ کی جوانی بھی عام جوانوں کے مقابلے میں پاک اور صاف تھی۔

تجارت :

آپؐ نے لڑکپن میں اپنے چچا کے پاس رہ کر تجارت سیکھ لی تھی۔ جب آپؐ جوان ہو گئے تو خود تجارت کرنے لگے۔

شام کا دُوسرا سفر :

جن دنوں آپؐ تجارت کرتے تھے، انھی دنوں مکّے میں ایک مال دار عورت خدیجہؓ بھی تھیں جو اپنا مال تاجروں کے ذریعے سے دُوسرے مُلکوں میں بھیجا کرتی تھیں۔ انھوں نے آپؐ کی نیکی اور دیانت کے بارے میں سُنا تو خواہش ظاہر کی کہ آپؐ بھی اُن کا مال دُوسرے مُلکوں میں لے جایا کریں۔ آپؐ مان گئے اور سامان لے گئے۔

حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کی آسانی اور خدمت کے لیے اپنے غلام میسرہ کو ساتھ بھیجا۔ آپؐ کو اپنی دیانت کی وجہ سے دوسرے تاجروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ ہوا۔ اس پر حضرت خدیجہؓ بہت خوش ہوئیں۔ انھوں نے جب اپنے غلام میسرہ سے آپؐ کی نیکیوں کے بارے میں اور باتیں سُنیں تو انھیں آپؐ کی ذات سے اور عقیدت ہو گئی۔

اس سفر سے واپس آئے ہوئے زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ

سے نکاح کی خواہش ظاہر کی۔ آپؐ نے اپنے چچا سے مشورہ کیا۔ انھوں نے خوشی سے اجازت دے دی بلکہ خود نکاح پڑھایا۔ اس وقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 25 سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال تھی۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے کچھ عرصہ بعد آپؐ کو اکیلے میں سوچتے رہنے کی عادت کچھ زیادہ ہو گئی۔ اب آپؐ کئی کئی روز تک سب سے کچھ دُور حرا نام کے ایک غار میں سب سے الگ تھلگ اپنے خالق کے بارے میں سوچا کرتے اور اس کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔

نبوّت کی ابتدا :

ایک روز اپنی عادت کے مطابق آپؐ غار میں تھے کہ اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ آپؐ کے پاس آیا۔ یہ حضرت جبرئیل علیہ السّلام تھے۔ اس واقعے کے بعد آپؐ کو اللہ کی طرف سے نبی بنا دیا گیا۔ حضرت خدیجہؓ کے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل نے حضرت جبرئیلؑ سے ملاقات کا واقعہ سُن کر بتایا کہ آپؐ اللہ کے نبی ہیں۔

اسلام کی تبلیغ :

نبی بننے کے بعد آپؐ کو اللہ کی طرف سے یہ حکم ملا کہ لوگوں تک اسلام پہنچاؤ۔ آپؐ کی اس تبلیغ کے بعد جو لوگ ابتدا میں اسلام لائے، وہ پختہ عُمر کے مردوں میں حضرت ابوبکر صدّیقؓ، عورتوں میں حضرت خدیجہؓ، نوجوانوں میں حضرت علیؓ اور غلاموں میں حضرت زیدؓ بن حارث تھے۔

اب تک اسلام کی تبلیغ کا کام آہستہ آہستہ اور چھُپ چھُپا کر ہوتا تھا۔ بعد میں حضرت حمزہؓ، حضرت عُمرؓ اور کچھ اور لوگوں کے مسلمان ہو جانے کے بعد ایک وقت ایسا آیا کہ آپؐ نے اسلام کی تبلیغ کھُلّم کھُلّا شروع کر دی۔

قریش کی مخالفت :

جب آپؐ نے اسلام کا پیغام لوگوں تک کھُلّم کھُلّا پہنچانا شروع کر دیا اور لوگ اسلام

قبول کرنے لگے تو اب آپؐ کے قبیلے قریش کی مخالفت اور بڑھ گئی، بلکہ دشمنی میں بدل گئی۔ کافروں نے اب آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو طرح طرح سے تکلیفیں دینا شروع کر دیں۔ جب اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا تو انھوں نے آپ کو لالچ دیا۔ یہ بھی کام نہ آیا تو انھوں نے آپؐ کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا۔

مدینہ کی ہجرت :

قریش کی طرف سے طرح طرح کی تکلیفیں دینے پر مسلمان ایک بار پہلے بھی اپنا شہر چھوڑنے اور حبشہ جانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اب کے مسلمانوں کے علاوہ خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم بھی اللہ کے حکم سے مکّہ چھوڑ کر مدینے چلے گئے۔ اس سفر میں آپؐ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ بھی تھے۔

کافروں سے جنگیں :

جب آپ مدینے آ گئے تو پھر بھی کافروں کی شرارتیں کم نہ ہوئیں۔ وہ چاہتے تھے کہ مُسلمان مکّہ چھوڑ کر مدینے میں بھی چین سے نہ رہ سکیں۔ اس کے نتیجے میں بدر، احد، خندق وغیرہ کی جنگیں ہوئیں۔ آخر ایک روز مسلمانوں نے لڑے بغیر مکّہ فتح کر لیا۔ مکّہ فتح ہونے کے بعد اسلام اور بھی تیزی سے پھیلنے لگا۔

آپؐ کی وفات :

آپؐ سوموار ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ ھ مطابق 8 جون 632ء کو شام کے وقت چاند کے حساب سے 63 سال کی عُمر پا کر انتقال فرما گئے۔
اِنّا لِلّٰہ وَ اِنّا اِلیہِ رَاجِعُونَ۔

عربی سے ترجمہ

خالد بزمی

چراغ

کوئی شخص جنگلوں میں سے ایک جنگل کے درمیان ایک چھوٹے سے گھر میں رہتا تھا۔ اُس نے اپنے گھر کے سامنے ایک چراغ لٹکا رکھا تھا۔

ایک رات وہ چراغ اپنے اِردگرد کو روشن کر رہا تھا اور اُس نے آس پاس کے اندھیرے کو کہیں دُور بھگا دیا تھا۔

رات کو جو شخص اُس گھر کے سامنے سے گزرتا، وہ اُس روشن چراغ کو دیکھتا تو یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا کہ

"یہ چراغ کس قدر خوب صورت ہے ...... !"

جب چراغ نے اپنے بارے میں لوگوں کی یہ خوشی اور حیرت دیکھی تو وہ اپنی ذات پر اِترانے لگا اور اس نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ وہ کوئی بہت ہی عجیب چیز ہے۔ پھر تو اس نے اپنے گھر کے مالک اور اس گھر کی سب چیزوں کو بھی نفرت اور

حقارت سے دیکھنا شروع کر دیا۔
ایک رات وہ چراغ اپنی ذات پر کچھ زیادہ ہی فخر کرنے لگا اور کہنے لگا: کیا لوگ اپنے مقابلے میں میری اہمیت اور فضیلت کو سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ یہ میں ہُوں جو رات کو ان کی راہوں میں روشنی کرتا ہُوں۔ اگر میری روشنی نہ ہو تو لوگ اندھیروں میں چلنے پر مجبُور ہو جائیں۔ اس لیے اُن کا فرض ہے کہ وہ میرے شکر گزار ہوں۔
گھر کے مالک نے اس کی یہ بات سُنی تو اُس نے کہا:
اس میں کوئی شک نہیں کہ تُو رات کے وقت لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے لیکن تُو اپنی ذات پر اس قدر فخر کیوں کرتا ہے۔ کیوں کہ اپنی ذات پر اس طرح فخر کرنا تو بہت بُری بات ہے۔
چراغ نے کہا: کیا مجھے حق نہیں کہ میں اپنی ذات پر فخر کروں، کیوں کہ چاند اور ستارے بھی رات کے وقت لوگوں کے لیے اس طریقے سے روشنی نہیں کر سکتے جیسی کہ میں اُن کے لیے کرتا ہوں۔
چراغ اور اس کے مالک کے درمیان یہ گفتگُو ہو رہی تھی کہ ہوا نے بھی یہ سب باتیں سُن لیں۔ وہ یہ سُن کر ہنس دی اور کہنے لگی:
یہ چراغ بہت مغرُور ہے۔ یہ چاند اور ستاروں سے اپنا مقابلہ کرتا ہے۔ یہ ضروری معلُوم ہوتا ہے کہ میں اس کو یہ سکھا دُوں کہ اس کی گفتگُو درست نہیں ہے۔
اس کے بعد ہوا تھوڑی سی تیز چلی اور اس نے چراغ کو بُجھا دیا۔
گھر کے مالک نے یہ دیکھا تو وہ اُٹھا اور اس نے وہ چراغ دوبارہ جلایا اور پھر اس سے کہنے لگا:
میرا خیال ہے کہ اس واقعے کے بعد تم اپنی ذات پر فخر کم کرو گے۔ کیوں کہ تمھاری روشنی کو تو ذرا سی ہوا بھی ختم کر دیتی ہے لیکن جہاں تک چاند ستاروں کا تعلق ہے، ان کی روشنی ہوا سے کبھی ختم نہیں ہوتی، خواہ ہوا کتنی ہی تیز کیوں نہ چلے۔
چراغ اپنے دل میں بہت شرمندہ ہوا اور اسے معلُوم ہو گیا کہ دُنیا میں اور بھی

بہت سی چیزیں ہیں جو اس سے زیادہ فائدہ مند ہیں لیکن اس کے باوجود وہ بالکل فخر یا غرور نہیں کرتیں۔

اس روز سے چراغ نے غرور کی جگہ عاجزی اِختیار کر لی اور اپنی ذات کی حیثیت پہچان لی۔ اب جب بھی ہوا چلتی ہے، وہ فوری طور پر اپنے شعلے کو جُھکا لیتا ہے تاکہ وہ بُجھ نہ جائے۔

اس کے بعد چراغ نے کبھی اپنے آپ پر فخر نہیں کیا۔
جو شخص اپنی حیثیت پہچان لے، وہ پھر کبھی فخر یا غرور نہیں کرتا۔

جب تم اُمیّدیں باندھتے باندھتے دور جا پہنچو تو موت کی ناگہانی آمد کو یاد کرو۔
گناہ کے لیے ایسی جگہ تلاش کرو جہاں خُدا نہ دیکھ سکے۔
محبّت رُوح کا گلاب ہے جو گناہ کی دُھوپ میں مُرجھا جاتا ہے۔

(جاوید طاہر۔ فیصل آباد)

خادم کیتھلی

ہم پاکستانی بچّے!
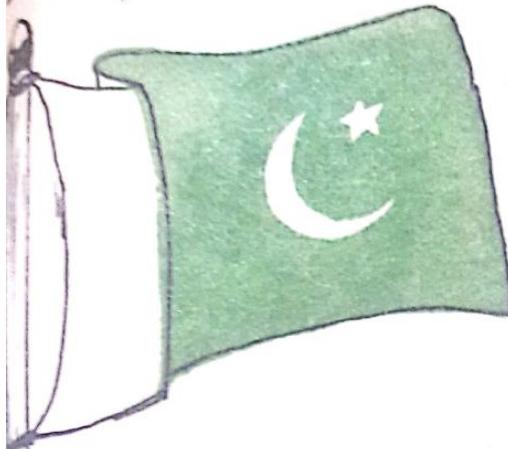
دُعا ہے ہم وطن کو جگمگائیں
وطن کی شان ہم مل کر بڑھائیں
زباں پر آدمیّت کا ہو نغمہ
سدا اِنسانیت کے گیت گائیں
یہ پرچم قوم کی عظمت کا پرچم
ہم اس پرچم کو اور اُونچا اُڑائیں
عمل ہو اپنا قرآں کے مُطابق
مُسلماں بن کے دُنیا کو دکھائیں
عمل سے علم سے خُلق وادب سے
ہم اپنے مُلک کی قسمت بنائیں
ترقی قوم کی ہم سے ہو خادم
ہم اس تاریخ کو آگے بڑھائیں

احمد خلدون
ہم ایک ہیں
جموں
اور
کشمیر
پشاور
سرحد
پنجاب
لاہور
کوئٹہ
بلوچستان
ایران
سندھ
کراچی
بحیرہ عرب
ڈھاکہ

ایک شخص تھا، جس کا نام اسلام تھا۔ یہ شخص بہت اچھا اور نیک تھا۔ ہمیشہ سچی باتیں کرتا اور لوگوں کو نیکی کی راہ بتایا کرتا تھا۔ لوگ جب بھٹکے ہوتے تو اس وقت یہ ان کو سیدھا راستہ دکھا دیا کرتا تھا۔ کسی کی برائی کو تو یہ دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ صرف نیکیوں کی تلقین ہی نہیں کرتا تھا بلکہ اُن پر عمل بھی کرتا تھا اور اسی وجہ سے لوگ اس کی باتوں پر عمل کرتے تھے۔

اس کے بہت سارے بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک بیٹے کا نام پاکستان تھا۔ پاکستان بھی بہت ہی اچھا تھا۔ ہمیشہ اسلام کی باتیں کرتا تھا۔ آگے پاکستان کے پانچ بیٹے تھے جن کے نام بنگال، پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان تھے۔ یہ پانچوں بیٹے بہت ہی نیک خوب صورت اور ذہین تھے۔ ان میں سے ہر ایک بڑھ چڑھ کر ہوشیار اور ذہین تھا۔ پانچوں کسی نہ کسی کام میں ماہر تھے۔ ان پانچوں کا آپس میں بڑا ہی پیار تھا۔ اگر ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا تو وہ اُس کے لیے پریشان ہو جاتے۔

پاکستان نے ان کی بڑی دیکھ بھال کی اور ان پانچوں کو کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہونے دی، اور یوں ان کا بچپن اور لڑکپن ہنسی ہنسی گزرتا رہا۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ یہ پانچوں بھی جوان ہو گئے۔ ان کا باپ پاکستان اور ان کا دادا اسلام انھیں ہر دم اچھی اچھی باتیں سُناتے اور انھیں آپس میں ہمیشہ ایک ساتھ رہنے کی تلقین کرتے تھے۔

ایک دن کی بات ہے کہ ان کا ایک بھائی بنگال کام کر کے واپس آ رہا تھا کہ اسے راستے میں اس کا ہمسایہ بھارت ملا۔ یہ ہمسایہ بڑا ہی مکار، جھوٹا اور کمینہ تھا۔ یہ شروع ہی سے ان کے دادا اسلام اور اُن کے والد پاکستان سے نفرت کرتا تھا اور بہلنے بہانے سے ان کو ستانے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن اسلام اور پاکستان نے اپنے بچّوں کو نصیحت کر رکھی تھی کہ چونکہ یہ ہمارا ہمسایہ ہے، تم اس لیے اس کو ادب سے سلام کیا کرو۔ اُس دن بھی بنگال نے ایسا ہی کیا۔ اس نے اپنے ہمسائے بھارت کو دیکھا تو اُسے بڑے ادب سے سلام کیا۔ بھارت نے جب بنگال کو دیکھا تو بڑی مکاری سے ہنستا ہوا بولا "جیتے رہو بیٹا! جُگ جُگ جیو۔ لمبی عمر ہو، کہاں سے

آ رہا ہے میرا چندا ؟"

"جی، کچھ کام کرنے گیا تھا۔ وہیں سے واپس آ رہا ہوں۔"

بھارت اسی طرح مکاری سے ہنستا ہوا بولا "ایک تو مجھے ہر دم تمہارا فکر لگا رہتا ہے۔ دیکھو تو کام کر کر کے کتنے کمزور ہو گئے ہو بیٹے! اپنی صحت کا بھی تو خیال رکھا کرو۔"

بنگال نے جواب دیا "جی اصل میں بات یہ ہے کہ ہم دنیا میں اپنا نام روشن کرنا چاہتے ہیں اور آپ کو پتا ہی ہے کہ جب تک محنت نہیں کریں گے، نام کیسے روشن ہو گا۔"

"ہی ہی ہی" بھارت نے قہقہہ لگایا "سولہ آنے ٹھیک بات کہی تم نے بنگال بیٹے کہ تم کو نام روشن کرنا ہے لیکن "ہم" کیوں کہتے ہو۔ محنت تو تم کرتے ہو اور اُن کو دیکھو پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کو۔ وہ ہر وقت سیر کرتے رہتے ہیں۔ بھئی! میری مانو تو ان سے الگ ہو جاؤ اور خود کھاؤ پیو، موج اُڑاؤ۔"

یہ سنتے ہی بنگال غصے میں آ گیا اور چیخ کر بولا "بند کریں یہ بکواس۔ میں اور

کچھ نہیں سن سکتا۔ وہ میرا خون ہیں۔ میرے بھائی ہیں۔ وہ بھی اتنی ہی محنت کرتے ہیں جتنی میں کرتا ہوں۔ آپ ہم بھائیوں کو علیحدہ علیحدہ کرنا چاہتے ہیں تو سن لیں میں بھی ان سے علیحدہ نہیں ہوں گا۔ ہم سب مل کر اپنے باپ پاکستان اور دادا اسلام کا نام روشن کریں گے۔"

بھارت نے جب بنگال کو غصے میں دیکھا تو بڑی ہی مکاری سے بولا "ارے بنگال بیٹے! تم تو یوں ہی غصے میں آ گئے۔ میں تو یونہی کہہ رہا تھا۔ دیکھو نا، مجھ سے تمھاری حالت دیکھی نہیں جاتی۔ تم یہ پتلی سی لنگی اور بنیان پہن کر کام کرتے رہتے ہو اور وہ چاروں اچھے اچھے کپڑے پہن کر آرام کرتے رہتے ہیں۔ اب بتاؤ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

بنگال بولا "آپ نے دیکھا ہو تو یوں نہ کہیں۔ پنجاب کو دیکھا ہے۔ سارا دن پھٹی پرانی دھوتی پہن کر زمین کا سینہ چیرتا ہے اور ہمارے لیے اناج پیدا کرتا ہے۔ سندھ کو دیکھا ہے کبھی پھٹی پرانی دھوتی اور کبھی شلوار، پہن کر باہر کے لوگوں کے ساتھ تجارت کرتا ہے۔ سرحد کو دیکھا ہے پرانی سی شلوار پہن کر اپنے مضبوط جسم کے ساتھ دن رات ہماری حفاظت اور آرام کے لیے کام کرتا ہے۔ بلوچستان کو دیکھا ہے، وہ بھی پرانے سے کپڑے پہن کر ہمارے لیے پہاڑوں میں سے چیزیں تلاش کرتا ہے۔ میں اگر لنگی اور بنیان پہن کر دریاؤں میں کام کرتا ہوں تو کیا ہوا۔ مجھے اس پر کوئی شرمندگی نہیں اور نہ ہی میرے بھائیوں کو پھٹے پرانے کپڑے پہن کر کام کرنے میں کوئی شرمندگی ہے۔ ہم غریب ہیں لیکن محنت کر کے کھاتے ہیں۔ تم سے تو کبھی کچھ نہیں مانگا۔ ہم انشاء اللہ ایک دن اسی طرح کام کر کے دنیا میں نام روشن کریں گے۔ سنا تم نے؟"

بھارت نے جب یہ کھری کھری باتیں سنیں تو خاموشی کے ساتھ وہاں سے کھسک گیا۔ وقت کا دریا اپنے راستوں پر بہتا چلا جا رہا تھا۔ پاکستان کے پانچوں بیٹے ہنسی خوشی رہ رہے تھے۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ بنگال کو راہ میں بھارت مل گیا۔ بھارت نے جب بنگال کو دیکھا تو ہنستے ہوئے بولا "لو بھئی بنگال! تمھاری تو بڑی عمر ہے۔

میں تمھیں ہی یاد کر رہا تھا۔ آؤ آؤ بیٹھو، کچھ کھا پی لو۔"
بنگال نے مسکراتے ہُوئے کہا "یہ آج آپ اتنا پیار کیوں جتا رہے ہیں۔ کیا بات ہے؟"
بھارت مکّاری سے بولا "اب ہٹو بھی، مجھے تم اچھے لگتے ہو بس۔ ارے ہاں یاد آیا۔ آج رات میرا ایک مہمان آ رہا ہے۔ باہر کے مُلک سے، تم ضرور آنا۔ میں تمھیں اس سے ملواؤں گا۔"
بنگال بولا "لیکن میں اپنے بھائیوں کے بغیر کیسے آسکتا ہُوں۔"
"دیکھو بھئی! اب مجھے جو پیار تم سے ہے، وہ تمھارے بھائیوں سے تو نہیں تمھیں تمھارے ابّا جان کی قسم! ضرور آنا اور کسی کو بتانا نہیں۔"
بنگال نے مجبوری سے سر ہلا دیا کہ میں آؤں گا۔ پھر ہوا یوں کہ بنگال اس رات بھارت کے ہاں چلا گیا۔ وہاں بھارت کا مہمان ایک غیر مُلکی تھا۔ اس کا رنگ سُرخ، جسم مضبُوط اور قد بہت لمبا تھا۔ اس کا نام رُوس تھا لیکن اس کی آنکھوں میں ایک بڑی خوف ناک چمک تھی۔ وہ بنگال کے ساتھ بڑے پیار سے ملا اور پھر تینوں نے باتیں شروع کر دیں۔ یہ تینوں ساری رات جاگتے رہے۔
صبح بنگال واپس گھر گیا تو وہ پہلے جیسا بنگال نظر ہی نہ آ رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ جیسے سب کچھ بدل گیا ہے۔ جب وہ گھر پہنچا تو اس کا دادا اسلام، باپ پاکستان اور چاروں بھائی بڑی پریشانی سے اس کی راہ تک رہے تھے۔ جب وہ اُن کے پاس آیا تو مُنھ پھیر کر بیٹھ گیا۔ اِسلام بولا "بیٹا کیا بات ہے؟ سلام کرنا بھی بُھول گئے ہو؟"
بنگال مردہ دلی سے بولا "السّلامُ علیکم، دادا جان۔"
"یہ تمھارے والد صاحب اور بھائی بھی تو کھڑے ہیں، ان کو بھی سلام کرو۔"
"میں نہیں کرتا ان کو سلام۔" بنگال نے سخت لہجے میں جواب دیا۔
پاکستان ایک دم تڑپ کر سامنے آیا اور بولا "بیٹا! کیا ہو گیا ہے تمھیں، دیکھو تو میں نے، تمھارے دادا اور تمھارے بھائیوں نے پریشانی کی وجہ سے آنکھ بھی نہیں جھپکی۔ ہم اتنے پریشان رہے ہیں کہ جس کی حد نہیں۔"

"ہونہہ، میرے لیے کون پریشان ہوتا ہے۔ آپ بھی سُن لیں اور تم چاروں بھی
سُن لو، میں جا رہا ہُوں تم کو چھوڑ کر، اپنی دُنیا الگ بسانے۔ آج سے میرا تمھارا کوئی ناتا
نہیں۔"

"نہیں، تم نہیں جا سکتے۔ میں تم کو نہیں جانے دُوں گا" پاکستان نے تن کر کہا
اور اپنا بازُو بنگال کے سامنے کر دیا تاکہ وہ جا نہ سکے۔ مگر جانے کیوں بنگال اُس
وقت عجب سا لگ رہا تھا۔ اس نے ایک خنجر نکالا اور پاکستان کے بازو کو زخمی کر دیا۔
خنجر کے دستے پر بھارت کا نام کھُدا ہوا تھا۔

بنگال تو چلا گیا مگر اب ان کی سمجھ میں آیا کہ یہ سارا کیا دھرا بھارت ہی کا ہے
لیکن اب کیا ہو سکتا تھا بنگال تو جا چکا تھا۔ زخمی پاکستان نے بمشکل اپنے آپ کو نئی
ہمّت دی اور آہستہ آہستہ ٹھیک تو ہو گیا مگر اس کے دل کے زخم نہ بھرے۔ بنگال کی
جُدائی میں وہ خُون کے آنسُو روتا رہتا تھا لیکن صبر و شکر کے ساتھ وقت کاٹتا تھا۔ اُسے
معلوم تھا کہ بنگال کے جانے میں بھارت کا ہاتھ تھا مگر چوں کہ وہ نیک اور امن پسند
تھا، اس لیے اس نے کبھی بھارت کے بیٹوں کو آپس میں لڑانے کی کوشش نہیں کی اور
ہمیشہ اپنے ہمسائے کے لیے بھی خیر کی دُعا مانگتا رہا۔

کچھ عرصے کے بعد اُس نے اپنے چاروں بیٹوں میں ایک تبدیلی سی محسُوس کی۔
پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کچھ خاموش خاموش رہنے لگے۔ پاکستان کو یہ دیکھ
کر بہت دکھ ہوا۔ ابھی تو اس کا پہلا ہی دُکھ ختم نہ ہوا تھا۔ اس نے چاروں کی چپکے چپکے
نگرانی شروع کر دی۔ اس نے دیکھا کہ بھارت اور رُوس اس کے بیٹوں کو ایک دُوسرے
کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے اور کہتے تھے کہ تم الگ الگ ہو۔ پاکستان نے فیصلہ
کر لیا کہ وہ اپنی جان پر کھیل جائے گا مگر ان چاروں بھائیوں کو کبھی نہ لڑنے دے گا۔

ایک رات جب کہ چاند پورا نکلا ہوا تھا، پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان
تھوڑے تھوڑے فاصلے پر خاموش خاموش بیٹھے تھے اور نزدیک ہی ایک جگہ چھُپ
کر بھارت اور رُوس ان کو یوں فاصلے پر خاموش بیٹھا دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔
پاکستان آیا اور اپنے بیٹوں کو بُلا کر کہا:

"بیٹو! تم جانتے ہو کہ تم سب میری آنکھیں اور بازو ہو۔ میں تمھارے ہی سہارے زندگی کے دن گزار رہا ہوں۔ کیا وجہ ہے کہ تم بہت دنوں سے چُپ چُپ اور گم سُم رہتے ہو؟"

چاروں بھائی باپ سے گلے شکوے کرنے لگے۔ پاکستان خاموشی سے سُنتا رہا جب سب اپنی کہہ چکے تو پاکستان بولا "وہ دیکھو بیٹا! مجھے آسمان پر کچھ لکھا ہُوا دکھائی دے رہا ہے پڑھو تو کیا لکھا ہے؟"

چاروں آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ آسمان پر ستاروں نے مل کر بڑے ہی خوب صورت الفاظ بنا دیے تھے۔ وہاں لکھا تھا "اور تم اللّٰہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ پیدا نہ کرو۔"

پاکستان بولا "بیٹا! تم تو جانتے ہی ہو کہ بھارت تم کو کبھی خوش نہیں دیکھنا چاہتا۔ آج دن تک اس کی یہی کوشش رہی ہے کہ ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کر دے

لیکن بیٹا تم کیوں بھول جاتے ہو کہ تم کس کے پوتے ہو۔ تمہارے دادا کا نام اسلام ہے جس نے ہمیشہ لوگوں کو سیدھی راہ دکھائی ہے۔ آج وہ سیدھا راستہ تمہاری آنکھوں سے کیوں اوجھل ہو رہا ہے تم کیوں اپنے اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے کو چھوڑنا چاہتے ہو۔ میں مانتا ہوں کہ بھارت کی باتوں میں بڑی مٹھاس ہے۔ رُوس کی چیزوں میں بہت چمک دمک ہے لیکن کیا یہ مٹھاس اور چمک تمہارے دادا کی باتوں میں کم ہے۔ تم اپنے دادا اسلام کی باتوں کو کیوں بھولتے جا رہے ہو۔ تم اپنا اتحاد کیوں ختم کر رہے ہو۔ یہ جان لو کہ اگر تم علیحدہ علیحدہ مُنہ پھُلائے بیٹھے رہو گے تو تم کمزور ہو جاؤ گے اور دُشمن تم کو پھر پہلے کی طرح نقصان پہنچائے گا۔ آؤ اور اس منحوس وقت کے آنے سے پہلے ہی پھر پہلے کی طرح مضبوطی سے اپنے ہاتھ تھام لو کہ یہی تمہارا راستہ ہے یہی تمہارے باپ اور دادا کی خواہش ہے میں نے تمہارے لیے جو جنّت خون دے کر بنائی ہے، اس کو یُوں تو تباہ نہ کرو۔ خُدا کے لیے اب تو ہوش میں آؤ۔ کب تک تمہاری آنکھوں پر پردے پڑے رہیں گے۔ آخر کب تک خُون خُون کو نہ پہچانے گا؟"

اپنے باپ کی باتیں سُن کر چاروں ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگے۔ اچانک انھیں دُور سے آواز آئی "بھائیو! سنو میں تمہارا بھائی بنگال بول رہا ہُوں۔ میں مجبُور ہوں۔ تمہارے پاس آ نہیں سکتا لیکن میں پوتا تو اسلام کا ہوں۔ بیٹا تو پاکستان کا ہوں۔ بھائی تو تمہارا ہُوں۔ میں کل بھی تمہارا تھا، آج بھی تمہارا ہوں۔ میری بات غور سے سُنو۔ تم سے دُور رہ کر میں نے بہت دُکھ اُٹھائے ہیں۔ یہ سب اس شیطان بھارت کا کیا دھرا ہے۔ خُدا کے لیے تم اس کی باتوں میں نہ آنا۔ کہیں کل کو تم پچھتانا بھی چاہو تو پچھتا نہ سکو۔ میری آواز غور سے سنو اور اسے ایک بھائی کی التجا سمجھ لو۔ اپنا اتحاد کبھی ختم نہ کرنا کہ اس اتحاد میں تمہاری بڑائی اور سلامتی ہے۔ اُٹھو اور ایک دوسرے کے ہاتھ مضبوطی سے تھام لو۔"

یہ آواز سن کر چاروں اُٹھے اور ایک دوسرے کے ہاتھ تھام کر باپ کے گلے سے لگ گئے۔ ان کے دادا اسلام کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔

چاند بھی مُسکرا اُٹھا۔ دُشمن کے چہرے پر سیاہی چھا گئی۔ چاروں باپ کے گلے سے لگ کر رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے "ہم ایک تھے، ہم ایک ہیں، ہم ایک رہیں گے"۔
پنجاب نے اُونچی آواز میں کہا "تو بھی پاکستان ہے، میں بھی پاکستان ہوں"۔
سندھ بولا "تُو تو میری جان ہے"۔
سرحد بولا "تُو میرا ایمان ہے"۔
بلوچستان بولا "ہمارا رہبر قرآن ہے"۔
دُور سے انھیں بنگال کی آواز آئی "بھارت شیطان ہے"۔
پھر سب مل کر گانے لگے "تُو بھی پاکستان ہے، میں بھی پاکستان ہُوں"۔
اور ان کی یہ بلند آواز اللہ کی دُنیا کے گوشے گوشے میں گونجنے لگی۔

اقوالِ زرّیں:

- وہ خُوشی، خُوشی نہیں ہوتی جس میں کم از کم ایک انسان ساتھ شریک نہ ہو۔
- اعلیٰ درجے کا بہادُر وہ ہے جو انتقام پر قدرت رکھتے ہوئے بھی در گزر کرے۔
- دُنیا میں ہمیشہ ناکامیوں نے کامیابیوں کی بنیادیں مضبوط کی ہیں۔
- اچھی صُورت کے مقابلے میں اچھی سیرت کا رُتبہ بُلند ہے۔ دوسروں کے لیے رہنا ہی زندگی ہے۔
- اپنے دوست کو اپنی محبّت دے دو، مگر راز نہ دو۔ کہیں یہ اعتماد ناگ کی طرح ڈس نہ لے۔
- وہ شخص کبھی خوش نہیں رہ سکتا جو کسی کو خُوش نہ دیکھ سکے۔
- اگر وفا کا سبق سیکھنا چاہتے ہو تو پھُول سے سیکھو جو پودے سے الگ ہوتے ہی مُرجھا جاتا ہے۔

(رضوانہ عمر نیر۔ راولپنڈی)

ڈاکٹر مشتاق احمد

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

جُھوٹ کے پاؤں کب یہاں ٹھہرے
آپ سچّائی کے نشاں ٹھہرے

ان کے رُتبے کو کوئی کیا سمجھے
وہ جو محبُوبِ دو جہاں ٹھہرے

آپ اوّل ہیں، آپ آخر ہیں
حق کی عظمت کا وہ نشاں ٹھہرے

دُشمنوں کے لیے دعائیں کیں
دوستوں کے بھی مہرباں ٹھہرے

آپ کیسے امین و صادق تھے
وجہِ تسکینِ قلب و جاں ٹھہرے

اُن کے در کا ہُوں میں بھی اِک مشتاقؔ
وہ جو اُمّت کے پاسباں ٹھہرے

کئی سو برس پہلے کی بات ہے ایک خانقاہ میں دو بزرگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ان میں ایک تو شہر کے قاضی صاحب تھے اور دوسرے ایک پیر صاحب تھے جو اپنی نیکی اور دین داری کی وجہ سے بہت مشہور تھے اور ہر شخص سچے دل سے اُن کی عزّت کرتا تھا۔

یہ دونوں بزرگ کسی دنیوی معاملے کے بارے میں باتیں ہی نہیں کر رہے تھے بلکہ اللہ کے بندوں کو صوبے کے حاکم کے ظُلم سے بچانے کے لیے کوئی ایسی ترکیب معلوم کرنے کے لیے مشورہ کر رہے تھے جس سے یہ مقصد آسانی سے حاصل ہو جائے۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت تھی اور خاندانِ غلاماں کا مشہور حُکمران سلطان شمس الدین التمش تاج اور تخت کا مالک تھا، اور بہت انصاف سے حکومت کر رہا تھا۔ یہ بادشاہ ایسا اچھا تھا کہ اس کی حکومت میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔

جس صوبے دار کی برائیوں سے لوگوں کو بچانے کے لیے یہ بزرگ مشورہ کر رہے تھے، اس کا نام ناصر الدین قباچہ تھا، وہ صوبہ ملتان پر حکومت کرتا تھا اور ایک بڑے صوبے کا حاکم ہونے کے علاوہ اسے ایک عزّت یہ حاصل تھی کہ وہ سلطان کا داماد تھا۔

ناصر الدین قباچہ یوں تو ایسا بُرا آدمی نہ تھا، وہ اپنے صوبے کا انتظام بہت محنت اور قابلیّت سے کر رہا تھا، لیکن اس میں کچھ عادتیں ایسی ضرور تھیں جنھیں یہ بزرگ پسند نہ کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ یا تو وہ عادتیں اس سے چھڑوا دی جائیں یا اُسے اُس کے عہدے سے الگ کرا دیا جائے۔

کافی سوچ بچار کرنے کے بعد آخر ان دونوں بزرگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک خط میں قباچہ کے بارے میں ساری باتیں لکھ کر وہ خط دلّی بھیج دیا جائے اور سُلطان شمس الدین سے درخواست کی جائے کہ وہ اپنے داماد کے بارے میں فوراً تحقیق کرے اور اگر وہ گناہ گار ثابت ہو جائے تو اسے اس کے عہدے سے ہٹا دیا جائے۔ اس فیصلے کے مطابق سُلطان کے نام ایک خط لکھا گیا اور پھر ایک قاصد کے ہاتھ دلّی روانہ کر دیا گیا۔

قباچہ میں کچھ ایسی باتیں ضرور تھیں۔ جنھیں یہ بزرگ پسند نہ کرتے تھے۔ لیکن جہاں تک صوبے کا انتظام کرنے کا معاملہ تھا، وہ بہت ہوشیار تھا۔ اُس نے ہر طرف جاسوس چھوڑ رکھے تھے جو صوبے میں ہونے والے معمولی معمولی واقعات کی خبریں قباچہ کو پہنچا دیتے تھے۔ بزرگوں کا وہ قاصد جو ان کا خط دلّی لے جا رہا تھا، ملتان سے روانہ ہوا تو قباچہ کے جاسوسوں کو فوراً یہ بات معلوم ہو گئی اور انھوں نے اس کا پیچھا کر کے

کسی اور قابل اور نیک دل آدمی کو اس عہدے پر مقرر کیا جائے۔ خط کے آخر میں دونوں بزرگوں کے نام لکھے تھے اور ان کی مہریں لگی ہوئی تھیں۔

یہ خط پڑھ کر قباچہ تو غصّے سے بے قابو ہو گیا۔ اس نے فوراً حکم دیا کہ ان دونوں کو اسی وقت ہمارے سامنے پیش کرو۔ جنھوں نے یہ خط لکھا ہے۔ پھر کیا تھا، شاہی پیادوں نے ذرا دیر بعد ہی اُن دونوں کو قباچہ کے دربار میں حاضر کر دیا۔

وہ دونوں آ گئے تو قباچہ نے فوراً ہی اُن سے خط کے بارے میں نہ پوچھا بلکہ وہ اُن کے ساتھ اس طرح باتیں کرنے لگا جیسے خط کے بارے میں کچھ جانتا ہی نہ ہو اور پھر قاضی صاحب کو اپنے ساتھ ایک الگ کمرے میں لے گیا اور اُن سے پوچھا:

"کیوں قاضی صاحب، کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس عہدے کے لیے موزوں نہیں ہیں، جس پر سلطان نے ہمیں مقرر کیا ہے؟ ہم نے سُنا ہے آپ نے سُلطان کے نام اس مضمون کا خط لکھا ہے کہ وہ ہمیں اس عہدے سے ہٹا دے۔"

قاضی نے یہ سُنا تو خوف سے اس کا رنگ زرد ہو گیا، لیکن پھر اُس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور بہت ادب سے بولا "حضور والا، بھلا ایسا ہو سکتا ہے۔ میں تو ہمیشہ سے حضور کا خادم اور خیر خواہ ہوں۔ میں ایسا خط کس طرح لکھ سکتا ہوں۔"

قباچہ نے قاضی کی یہ بات سُن کر وہ خط جیب سے نکالا اور دکھاتے ہوئے بولا "اگر تُو نے خط نہیں لکھا تو یہ دستخط اور مہر کس کی ہے؟"

اب تو قاضی صاحب لاجواب ہو گئے۔ خط پر اُن کے دستخط بھی تھے اور مُہر بھی لگی ہوئی تھی۔ لگے آئیں بائیں شائیں کرنے اور معافی مانگنے، لیکن قباچہ نے اُن کی بات پر بالکل دھیان نہ دیا۔ سپاہیوں کو بُلا کر حُکم دیا "اِسے لے جاؤ اور اسی وقت اس کی گردن اُڑا دو۔"

سپاہی قاضی صاحب کو پکڑ کر لے گئے۔ اس کے بعد قباچہ نے دُوسرے بزرگ کو بُلوایا اور اُن سے پُوچھا:

"حضرت صاحب کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ سُلطان ہماری جگہ کسی اور شخص کو مُلتان کا گورنر بنا دے؟ اور کیا آپ نے اس مطلب کا کوئی خط لکھا ہے؟"

بزرگ نے بہت غور سے قباچہ کی بات سنی، پھر اطمینان بھری آواز میں بولے :
" ہاں یہ بالکل ٹھیک ہے۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ آپ اسلام کی باتوں پر پوری طرح عمل نہیں کرتے اور آپ کی اس کمزوری کی وجہ سے رعایا میں بہت سی برائیاں پھیل رہی ہیں۔ بس اسی وجہ سے ہم چاہتے ہیں کہ سلطان آپ کو ہٹا کر کسی ایسے آدمی کو حاکم بنا دے جو خود بھی پکا سچا مسلمان ہو اور رعایا کو بھی نیک بنانے کی کوشش کرے۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم نے سلطان کے نام آپ کے خلاف خط لکھا ہے۔"

یہ بات سن کر قباچہ بہت ادب سے بولا " اس بات سے ہمیں بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے جھوٹ نہیں بولا۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اپنی غلطیاں دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ آپ اپنے گھر جائیے اور عزت سے زندگی گزاریے۔"

وہ بزرگ اپنے گھر چلے گئے۔ قباچہ نے وہ ساری باتیں چھوڑ دیں جن کی وجہ سے وہ ناراض ہوئے تھے اور پہلے کی طرح ان کی عزت کرتا رہا۔

کرنیں :

فیاض خدا کا دوست ہے۔

جھوٹ اور غیبت سے بچنے والا سلامت رہے گا۔

نیکی کی ترغیب دینے والا نیکی کرنے والے کے برابر ہے۔ (محمد اسلم۔ لاہور)

عقل مند کے لیے وہ وقت نہایت مشکل ہوتا ہے جب وہ کسی بات میں غلطی کر بیٹھے۔

حقیقی خوشی وہی انسان حاصل کرتا ہے جو اپنی خواہشات کو قابو میں رکھے۔

شکست کا ایک ہی جواب ہے اور وہ ہے فتح۔

بہت زیادہ بولنے سے انسان اپنی عزت کھو بیٹھتا ہے۔

جو راز تم اپنے دشمن سے چھپانا چاہتے ہو، اسے اپنے دوست سے بھی چھپاؤ

(تنویر افضل۔ لاہور)

ڈاکٹر

عابد نظامی

ڈاکٹر رشید کی شہر بھر میں شہرت تھی، مگر سب لوگ کہتے، وہ جتنا بڑا ڈاکٹر ہے، اتنا ہی ظالم ہے اور یہ بات تھی بھی سچ۔ غریب لوگ اپنے علاج معالجے کی خاطر اس کے پاس آتے تو وہ ان سے بھاری فیس وصول کرتا۔ اتنی زیادہ جو اُن کی ہمّت سے باہر ہوتی۔ جس کے پاس پیسے نہ ہوتے یا کم ہوتے، ڈاکٹر رشید اُسے ہسپتال سے باہر نکلوا دیتا۔

غریب لوگ اُدھار مانگ کر، کئی روز محنت مزدوری کر کے کچھ رقم اکٹھی کرتے اور اُس سے علاج کراتے، مگر جوں ہی اُن کے پاس پیسے ختم ہوتے، ڈاکٹر رشید کے ہسپتال کا دروازہ اُن کے لیے بند ہو جاتا۔

ڈاکٹر رشید کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ وہ بے حد مال دار تھا۔ اس کے پاس عالی شان بنگلہ، نئے ماڈل کی کار، بیوی بچے، نوکر چاکر غرض اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔ اس کی تجوری میں لاکھوں روپے بند تھے جنھیں مدت سے ہوا تک نہ لگی تھی۔ مگر اس کے باوجود ڈاکٹر کے دل میں دولت بڑھانے کی حرص تھی۔

ایک بار ایک بوڑھا آدمی اس کے پاس علاج کرانے آیا۔ اسے دق کا مرض تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے فیس مانگی تو اس کے پاس پیسے کچھ کم نکلے۔ ڈاکٹر نے برا بھلا کہہ کر اسے باہر نکلوا دیا کہ کم بخت وقت ضائع کرنے کے لیے آجاتے ہیں۔

بوڑھا بے چارا کھانستا اور خون تھوکتا باہر سڑک پر آگیا۔ اس نے سوچا کہ میں اتنی رقم کہاں سے لاؤں گا۔ کوئی بیوی نہ بچہ، نہ کوئی امیر رشتہ دار۔ یہیں سڑک پر بیٹھ جاتا ہوں۔ بھیک مانگتا ہوں۔ جب ڈاکٹر کو دینے کے لیے روپے پورے ہو جائیں گے تو علاج کروا لوں گا۔

سخت سردیوں کے دن تھے۔ بوڑھے کے پاس صرف ایک پھٹا پرانا کمبل تھا۔ وہ بھلا کہاں تک ساتھ دیتا۔ آدھی رات کے وقت بوڑھا سردی میں ٹھٹھر کر مر گیا۔ سرکاری آدمی آئے اور بوڑھے کی نعش گاڑی میں ڈال کر لے گئے۔

ڈاکٹر رشید کے لیے یہ بالکل معمولی بات تھی۔ ایسے حادثے ہر روز اس کے سامنے ہوتے رہتے تھے۔ وقت گزرتا گیا۔

گرمیوں کی ایک رات تھی۔ ڈاکٹر رشید اپنے عالی شان بنگلے کے صحن میں سونے کے لیے لیٹا اور لیٹتے ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔

اس نے دیکھا بڑے زور کا زلزلہ آیا ہے اور سارا شہر تباہ ہو گیا ہے۔ اس کا عالی شان بنگلہ دھڑام سے زمین پر آگرا ہے۔ نئے ماڈل کی کار چورمور ہو گئی۔ اس کے بیوی بچے، نوکر چاکر سب ملبے کے ڈھیر کے نیچے دب کر ہلاک ہو گئے ہیں۔ صرف اس کی سات سالہ بچی زندہ بچی ہے۔ وہ بچی جس سے اسے بے حد محبت تھی۔ اس نے اس بچی کو کندھے پر اٹھایا اور کسی دوسرے شہر میں چلا گیا۔ وہ بیمار بچی کو لے کر ایک ڈاکٹر کی دکان پر گیا، تاکہ اس کے لیے دوا لے، مگر

حالت یہ تھی کہ کوئی پیسہ دھیلا پاس نہ تھا۔ بدن کے کپڑے پھٹے تھے۔ اپنی بیمار بچی کا علاج کرانے کے لیے اس نے ڈاکٹر کی بڑی منت سماجت کی۔ خدا کا واسطہ دیا، مگر سنگ دل ڈاکٹر نے اسے اپنے کمرے سے باہر نکال دیا۔

پھر وہ اپنی بیمار بچی کو ہاتھوں پر اٹھائے کئی ڈاکٹروں کے پاس گیا، مگر کسی نے اس پر ترس نہ کھایا۔ یہاں تک کہ اس کی بیمار بچی اس کے ہاتھوں ہی میں اللہ کو پیاری ہو گئی۔

اپنی بچی کو اس طرح موت کے پنجے میں دیکھ کر اس کے منہ سے بے اختیار ایک چیخ نکلی۔ چیخ کے ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔

چیخ کی آواز سن کر نوکر چاکر بھاگے آئے۔ پوچھا "حضور! خیریت ہے؟" ڈاکٹر نے سب کو چلے جانے کا حکم دیا۔ اس کی طبیعت پر اس خواب کا بڑا اثر تھا۔

صبح ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب اپنے وقت پر مطب آئے۔ برآمدے میں بے شمار

مریض بیٹھے تھے۔ اپنے کمرے میں جا کر انھوں نے گھنٹی بجائی۔ گھنٹی کی آواز پر ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی ڈاڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ اس نے کندھے پر ایک بچی اُٹھائی ہوئی تھی جس کی عُمر چھے سات سال کے قریب ہو گی اور بُخار کی وجہ سے وہ بے ہوش تھی۔

اس آدمی نے آتے ہی کہا:

"ڈاکٹر صاحب! میرے پاس کچھ نہیں، بس یہی سات سال کی بچی ہے۔ خُدا کے لیے اسے موت کے مُنھ سے بچا لیجیے۔ ڈاکٹر صاحب، خُدا کے لیے....."

نوکر چاکر یہ الفاظ سُنتے ہی آگے بڑھے کہ جُوں ہی ڈاکٹر کے مُنھ سے "باہر نکال دو" کا حکم صادر ہو، اسے دھکّے دے کر باہر نکال دیں، مگر ایسا نہ ہوا۔ ڈاکٹر اُمید کے خلاف بچّی کے باپ سے مخاطب ہوا اور بڑی محبّت سے بولا:

"آپ تشریف رکھیے۔ میں بچّی کو دیکھتا ہُوں۔"

پھر ڈاکٹر رشید نے بچی کو تھرمامیٹر لگایا۔ نبض دیکھی۔ اس کا معاینہ کیا۔ نسخہ لکھا اور دوا خانے سے دوا منگائی۔ پھر ایک خوراک خود اپنے ہاتھ سے بچّی کو پلائی۔ تھوڑی دیر کے بعد بچّی نے آنکھیں کھول دیں۔

ڈاکٹر نے بچّی کے گال تھپتھپائے، پیار کیا اور اس کے والد سے کہا "یہ دوا لے جائیے اور دو دو گھنٹے بعد بچّی کو پلاتے رہیے۔"

نوکر چاکر اور دوسرے مریض یہ واقعہ دیکھ کر سخت حیران ہوئے۔ کئی لوگ اپنی آنکھیں ملنے لگے کہ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہے۔

مگر ڈاکٹر رشید اب بالکل بدل چکے تھے۔ ان کی طبیعت میں زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو چکا تھا۔ اب ان کے سر پر دولت کا بھُوت سوار نہیں تھا، بلکہ اب ان کا دل خدمتِ خلق کے جذبے سے بھرا ہوا تھا۔

انھوں نے نوکر کو بھیجا کہ جا کر کسی پینٹر کو بُلا لائے۔ تھوڑی دیر بعد پینٹر آیا تو ڈاکٹر صاحب نے کہا "میرے مطب کے باہر لکھ دو:"

"یہاں غریبوں کا مفت علاج ہوتا ہے۔"

مقبول انور داؤدی

علّامہ اِقبالؒ نے ہمیں چائے پلوائی!

حضرت علاّمہ اقبالؒ ایک مردِ قلندر تھے۔ اپنے شعر کی تعریف سے نہ تو آپ خوش ہوتے اور نہ ہی بُرا کہنے پر بُرا مانتے۔ آپ کا خاص موضوع "اتحادِ اسلامی" ہوا کرتا تھا۔ ہم میں تو ڈاکٹر صاحب سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی لیکن ہمارے لیڈر مرزا محمد سلطان کیف ہوتے تھے۔ جو علاّمہ سے بات کرنے کا کوئی موضوع سوچ لیا کرتے تھے اور پھر اگر ان کی مرضی کے مطابق موضوع چھڑ جاتا تو اس پر تفصیل سے بات کرتے تھے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ مرحوم کے لیکچرز اور اشعار کافی مشکل ہیں اور جب تک قرآن و حدیث اور تاریخِ اسلام سے مکمل واقفیت نہ ہو، ان کا صحیح مفہوم جاننا ناممکن ہے۔ لیکن اپنی نجی محفل میں علاّمہ ہمیشہ پنجابی میں گفتگو فرمایا کرتے تھے اور مسائل کو آنِ واحد میں حل کر دیا کرتے تھے، کہ سُننے والا مطمئن ہو جاتا تھا۔

کچھ لوگ تو علاّمہ کی خدمت میں کچھ سیکھنے اور علمی مسائل حل کرانے کے لیے جاتے

تھے لیکن کچھ لوگ ایسے ہی جن کا مقصد محض حضرت اقبال کی زیارت کرنا اور ان کے اشارے پر کوئی خدمت بجالانا ہوتا تھا۔ ان میں چیمبرلین روڈ کے ایک شخص شمس الدین ہوتے تھے جو رسالہ "قادر" نکالا کرتے تھے۔

ایک دن میں، مرزا محمد سلطان کیف اور میر محمد نیاز جموی اور شمس الدین حسن صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت علامہ علم وعرفان کے موتی بکھیر رہے تھے۔ یکایک علامہ کو چائے کی طلب ہوئی اور علی بخش حسب دستور ایک پیالی چائے بنا کر لے آیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ بھئی! ان کے لیے بھی چائے لاؤ۔

چنانچہ اور چائے آگئی۔ علامہ ایک بنیان اور لٹھے کی چادر بطور تہ بند باندھے کرسی میں دھنسے بیٹھے تھے۔ علامہ نے چائے کی پیالی ہاتھ میں لے کر اٹھنے کی کوشش کی تو کچھ چائے پیالی سے اچھل کر علامہ کے پیٹ پر گری۔ تو ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا "اوئی"۔ علامہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ تو ہمیں حکم ہوا، چائے پیو۔ چائے کے ساتھ کیلے بھی تھے۔ تعمیل حکم میں ہم نے بڑے ادب سے کیلے چھیلے، کھائے اور بعد میں انتہائی عقیدت کے ساتھ چائے پی۔

میں ان ایام میں روزنامہ "سیاست" میں تھا۔ میں نے علامہ کی اس چائے کو اپنے لیے بہت بڑا فخر جانا اور اس کی ایک مختصر سی خبر بنا کر حاشیے کے اندر چھاپ دی۔

اگلے روز ہم جب علامہ کی کوٹھی، میکلوڈ روڈ، پر گئے تو انھوں نے ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ تم نے یہ کیا خبر چھاپ دی ہے۔ یہ بھی کوئی خبر ہے۔ عرض کیا قبلہ آپ کے لیے یہ کوئی خبر بے شک نہ ہو لیکن ہمارے لیے یہ بہت بڑی سعادت ہے کہ ہمیں آپ کے ہاں سے چائے پینے کو ملی۔

علامہ فرمانے لگے۔ نہیں نہیں یہ کوئی خبر نہیں۔ آیندہ ایسی کوئی خبر تمھارے اخبار میں نہ چھپے۔

اس واقعے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ علامہ سستی شہرت کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔

رفیق احمد خان

اجّو جانی

(اظہر اقبال حسین)

ہے وہ نٹ کھٹ اور لڑاکا
کون کہے کہ باز آ کاکا
شور مچائے کرے دھماکا
کرتا ہے وہ جب شیطانی ـــــ اجّو جانی

کر کے رکھ دے ہکّا بکّا
اُلجھے، جھپٹے، دے دے دھکّا
عُمر کا چھوٹا، دُھن کا پکّا
بنے شرارت کا وہ بانی ـــــ اجّو جانی

جو انداز بھی اُس کو بھائے
کڑکے مارے، شور مچائے
اس میں وہ جلوہ دِکھلائے
باتوں میں ہو خوب روانی ـــــ اجّو جانی

اکثر جب وہ سو کر جاگے
گھر میں اِدھر اُدھر وہ بھاگے
امّی کے پیچھے یا آگے
ہو انداز ذرا طوفانی ـــــ اجّو جانی

جب کھانے کی میز پر آئے
اور پھر ساتھ کے ساتھ سُنائے
جم کر بیٹھے، ڈٹ کر کھائے
کوئی لطیفہ، کوئی کہانی ـــــ اجّو جانی

جو مشروب بھی اس کو بھائے
کوکا کولا ہو یا چائے
اس کو جب پینے پر آئے
سمجھے اس کو سادہ پانی ـــــ اجّو جانی

جس کی بھی وہ چیز اُڑا لے
وہ مانگے لیکن یہ ٹالے
رکھے پاس یا اسے چھُپا لے
ہو جائے مشکل ہاتھ آنی ـــــ اجّو جانی

بھائیوں سے گر جنگ رچائی
تکتے ہی رہ جائیں بھائی
جیت اس کے حصّے میں آئی
پڑتی ہے بس مُنہ کی کھانی ـــــ اجّو جانی

دفتر سے جب ابّو آئیں
چُومیں، ساتھ اپنے چمٹائیں
جھٹ گودی میں اسے اُٹھائیں
بن جائے گھر میں لاثانی ـــــ اجّو جانی

بے شک ہے وہ لاڈو بچّہ
پھر بھی وہ لگتا ہے اچھا
سمجھ بُوجھ کا بھی ہے کچّا
ہوتی ہے اِس پر حیرانی ـــــ اجّو جانی

ایک رات کا شیر

محمد یونس حسرت

چیانگ فینگ فوکین کے علاقے میں سفر کر رہا تھا۔ وہ چین کے شمالی علاقوں کا رہنے والا تھا۔ اس لیے فوکین کے علاقے کی سرسبزی و شادابی کا منظر اس کے لیے بڑا دل چسپ اور حیران کُن تھا۔ اس نے یہ بھی سُن رکھا تھا کہ چین کا جنوبی علاقہ جنگلوں اور درختوں سے اٹا پڑا ہے اور ان جنگلوں میں قسم قسم کے شیر، چیتے اور دُوسرے درندے بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اس لیے وہ فوکین کے علاقے میں سفر کرتے ہوئے خُوب صُورت مناظر سے لُطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ اس بارے میں بھی احتیاط کر رہا تھا کہ کہیں کسی درندے سے سامنا نہ ہو جائے۔

اپنے اس سفر کے دوران میں ایک روز اس نے شہر ہینگ شان کی ایک سرائے میں قیام کیا۔ ہنگ شان فوچو کے قریب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو فوکین کو چی کیانگ سے جُدا کرنے والے پہاڑی سلسلے میں واقع ہے۔ سرائے میں پہنچ کر

چیانگ فینگ نے اپنا سامان رکھا اور خود اِرد گرد کے علاقے کی سیر کرنے کے لیے باہر نکل گیا۔

چھڑی ہاتھ میں لیے گھومتا ہوا وہ علاقے کی خوب صورتی سے ایسا متاثر ہوا کہ آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔ ایک روز پہلے بارش ہو چکی تھی اور بارش کے بعد درختوں کا حُسن کچھ اور نکھر آیا تھا۔ حدِّ نظر تک اس کے سامنے قدرت کے رنگ ہی رنگ پھیلے ہوئے تھے۔ سامنے دُور تک پھیلی ہوئی پہاڑیاں زرد اور سُرخ رنگ کے پھولوں کے ڈھیر دکھائی دے رہی تھیں۔ یہ سرزمین اسے ایک طلسماتی سرزمین لگ رہی تھی۔

اچانک اُسے اپنے سر میں کچھ گرانی سی محسوس ہونے لگی۔ آنکھوں کے سامنے تارے سے ناچتے نظر آنے لگے۔ اس کا سر چکرانے لگا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ شاید

علاقے کی بلندی، اجنبی آب و ہوا اور سیر کی تھکاوٹ کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے سامنے چند قدم کے فاصلے پر ایک خوب صورت سبزہ زار پھیلا ہوا تھا۔ اس نے اپنا چغہ اُتار کر اسے چھڑی کے سہارے ایک درخت کے ساتھ رکھ دیا اور خود آرام کرنے کے لیے نرم نرم گھاس پر دراز ہو گیا۔

لیٹتے ہی اسے اپنی حالت کچھ بہتر محسوس ہوئی۔ اس نے آسمان کی طرف نگاہ ڈالی اور فطرت کے حُسن کے بارے میں سوچنے لگا۔ لوگ مال و دولت، عزت اور شہرت کے لیے لڑتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، ایک دوسرے کو دھوکا دیتے ہیں، ایک دوسرے کی جان لیتے ہیں، لیکن یہاں فطرت کی آغوش میں زندگی کتنی پُرسکون ہے۔ نرم نرم گھاس پر پہلو بدلتے ہوئے اسے بے حد سکون محسوس ہو رہا تھا۔ ہوا کی بھینی بھینی خوشبو نے جیسے اسے لوریاں دے کر جلد ہی نیند کی آغوش میں پہنچا دیا۔

وہ نیند سے بیدار ہوا تو اسے زور کی بھوک لگ رہی تھی۔ جب اُس نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو اسے سمور کی طرح نرم نرم بال محسوس ہوئے۔ وہ ایک دم اُچھل کر بیٹھ گیا اور اس نے دیکھا کہ اس کے تمام بدن پر کالی کالی خوب صورت دھاریاں پھیلی ہوئی ہیں۔ جب اس نے اپنے بازو پھیلائے تو اسے ان بازوؤں میں غضب کی طاقت کا احساس ہوا۔ اپنے چہرے سے نیچے کی طرف دیکھتے ہوئے اُسے اپنی ہی مونچھوں کے لمبے سرے نظر آئے۔ اور پھر اس پر ایک خوف ناک حقیقت ظاہر ہوئی جیسا کہ وہ انسان سے شیر بن چکا تھا۔

اس نے سوچا کہ یہ تو بہت اچھّی بات ہے۔ میں اب انسان کی بجائے شیر ہوں۔ شیر جو جنگل کا بادشاہ ہوتا ہے۔

اپنی نئی طاقت کی آزمائش کرنے کی خاطر وہ درختوں اور جنگلوں کے درمیان کودتے پھلانگتے بھاگنے لگا اور اِدھر اُدھر چھلانگیں لگانے لگا۔ اس نے جماہی لی تو اپنی چنگھاڑ کی آواز سُن کر خود بھی حیران رہ گیا۔ اس کی یہ چنگھاڑ اس کی غیر معمولی طاقت کا پتا دے رہی تھی۔

اب اسے زور کی بھوک بھی لگ رہی تھی۔ قریب ہی ایک خانقاہ نظر آ رہی تھی۔

اُس نے خانقاہ کا رُخ کیا اور جا کر اُس کے پھاٹک پر پنجے مارنے لگا جیسے اندر داخل ہونے کی اِجازت کا طلب گار ہو۔ لیکن اندر سے اسے ایک راہب کی آواز سُنائی دی۔ وہ شاید پھاٹک کے چوکیدار سے کہ رہا تھا:

"ارے! دروازہ مت کھولنا۔ شام کی وجہ سے صاف تو نظر نہیں آرہا ہے مگر بُو سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دروازے پر کوئی مُسافر نہیں، بلکہ شیر ہے۔"

چینا تنگ فینگ نے سوچا کہ یہ تو بہت بُرا ہے۔ میں تو چاہتا تھا کہ اندر کچھ کھاؤں پیوں گا اور اس راہب سے مہاتما بُدھ کے بارے میں کچھ باتیں کروں گا لیکن اب تو میں شیر بن چُکا ہُوں اور شاید میرے جسم سے شیر جیسی بُو بھی آتی ہے!

اس کے جی میں آئی کہ پہاڑی کے نیچے واقع گاؤں میں چل کر اپنے لیے کھانے کا کوئی بندوبست کرے۔ وہ پہاڑی سے نیچے اُترا اور راستے کے قریب

ایک جھاڑی کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ چند لمحے بعد ہی وہاں سے ایک خوب صورت لڑکی گزری۔ چیانگ نینگ نے سوچا کہ میں نے سُنا تھا کہ فوچو کے علاقے کی لڑکیاں بہت زیادہ سفید رنگت اور پست قد ہوتی ہیں۔ واقعی ایسا ہی ہے لیکن اسے بھوک ستا رہی تھی۔ جیسے ہی وہ لڑکی کی طرف جانے کے ارادے سے جھاڑی کی اوٹ سے نکلا، لڑکی نے ایک چیخ ماری اور اپنی جان کے خوف سے بھاگ نکلی۔

چیانگ حیران ہو کر سوچنے لگا کہ یہ کیسی زندگی ہے جہاں ہر شخص مجھے اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ یہ لڑکی تو اتنی خوب صورت ہے کہ میں اسے کھانے کا خیال کبھی دل میں نہیں لا سکتا۔ بہتر ہے میں گاؤں میں سے ہی کوئی جانور تلاش کر کے اپنی بھوک مٹاؤں۔ کسی موٹے سے بکرے، بچھڑے یا بھیڑ کے تصوّر سے اس کے مُنھ میں پانی بھر آیا اور اسے اپنے آپ پر شرم سی محسوس ہونے لگی، لیکن بھوک کے مارے اس کا بُرا حال تھا۔ اس نے سوچا کہ مجھے اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا، ورنہ میں مر جاؤں گا۔ یہ سوچ کر اس نے گاؤں کا چکّر لگایا لیکن ناکام رہا۔ تمام گھروں کے دروازے مضبوطی سے بند ہو چکے تھے اور گاؤں کے تمام جانور اس کی دسترس سے باہر تھے۔ ایک تاریک سی گلی میں سے گزرتے ہوئے وہ رُک گیا اور ایک دیوار سے لگ کر اندر گھر میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی باتیں سُننے لگا۔ ان کی زبانوں پر ایک ہی بات تھی: گاؤں میں ایک شیر گھس آیا ہے۔

ناکام ہو کر وہ پھر پہاڑی پر چلا آیا۔ اب صرف ایک ہی آس تھی کہ کوئی بھولا بھٹکا مُسافر اس طرف آ نکلے اور وہ اسے اپنا نشانہ بنائے۔ تمام رات وہ گھات لگائے اس انتظار میں بیٹھا رہا لیکن کسی جان دار کا اس طرف سے گزر نہیں ہوا۔ پھر تھوڑی دیر کے لیے اسے نیند آ گئی۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو صُبح ہو چکی تھی۔ پہاڑی کے قریب کی سڑک پر سے لوگ گزرنے لگے تھے۔ اُس نے دیکھا کہ شہر کی طرف سے ایک شخص آیا اور اُس نے چند مُسافروں کو روک کر دریافت کیا:

"کیا آپ لوگوں نے جناب چینگ چیو کو دیکھا ہے؟ وہ فوج کے ایک محکمے کے افسر ہیں اور آج اپنے دورے سے واپس آنے والے ہیں۔"

غالباً یہ شخص اس محکمے کا کوئی اہل کار تھا جسے اپنے افسر کے استقبال کے لیے بھیجا گیا تھا۔

چیانگ فینگ کے دل میں یہ احساس کروٹیں لینے لگا کہ اسے چینگ چیو کو اپنا نوالہ بنانا چاہیے۔ وہ اپنے اس احساس کی کوئی وجہ جاننے سے تو قاصر تھا البتہ یہ احساس بڑا واضح تھا کہ چینگ چیو کے مقدر میں یہ لکھا ہے کہ وہ اس کا اولین شکار بنے۔

ایک مسافر کو اس نے اہل کار سے یہ کہتے سنا:

"جب ہم سرائے سے چلے ہیں تو وہ بیدار ہو چکے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہم سے تھوڑی دور پیچھے ہی آ رہے ہوں گے۔"

"وہ اکیلے ہی ہیں یا کچھ دوسرے لوگ بھی ان کے ساتھ ہیں؟ اُن کا لباس کیسا ہے؟ یہ بھی بتا دیجیے تاکہ مجھے پہچاننے میں آسانی رہے اور ان کا اِستقبال کرتے ہوئے کسی غلطی کا امکان نہ رہے۔"

"وہ کل تین آدمی ہیں۔ جس شخص کا لباس گہرے سبز رنگ کا ہے، وہی چینگ چیو ہیں۔"

چیانگ فینگ کو یوں محسوس ہوا جیسے یہ گفتگو محض اس کے فائدے کی خاطر ہوئی ہے۔ اس نے چیانگ چیو کو کبھی نہیں دیکھا تھا اور نہ اس کے متعلق کچھ سُنا ہی تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ جھاڑی میں دبک کر بیٹھ گیا اور اس کا انتظار کرنے لگا۔ شیر کے رنگ میں اس کا اِستقبال کرنے کے لیے!

جلد ہی اس نے سڑک پر چینگ چیو کو اپنے دو سکرٹریوں کے ساتھ آتے دیکھا۔ ان کے ساتھ چند اور مُسافر بھی تھے۔ چینگ چیو خاصا موٹا تھا۔ جب وہ قریب آگیا تو چیانگ فینگ جھاڑی کی اوٹ سے جست لگا کر نکلا اور اس نے چینگ چیو کو دبوچ کر سیدھا پہاڑی کا رُخ کیا۔ دوسرے لوگ اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے۔ پہاڑی پر پہنچ کر چیانگ فینگ نے اپنے پیٹ

کرا۔ جیسے ان کے [illegible] ہے اور بس!

پیٹ کی آگ بجھا کر وہ ذرا آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ بیدار ہوا تو اسے اپنے آپ پر افسوس ہونے لگا کہ اس نے ایک ایسے انسان کو کھا ڈالا ہے جس نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ زندگی تو کوئی ایسی زندگی نہیں ہے جس پر فخر کیا جا سکے۔ رات رات بھر شکار کی تلاش میں پھرتے رہنا کسی طرح بھی خوش گوار زندگی نہیں کہلا سکتا۔ اسے یاد آیا کہ کس طرح وہ ساری رات خوراک کی تلاش میں گاؤں میں پھرتا رہا تھا اور اس کے ہاتھ کچھ نہیں آیا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا یہ مشکل اب ہمیشہ کے لیے مجھ پر غالب رہے گی؟ مہاتما بدھ کے ایک سچے پیروکار کی حیثیت سے یہ میرے لیے ایک عذاب سے کم نہیں کہ مجھے اپنی بھوک مٹانے کے لیے جان داروں کے گوشت کو اپنی خوراک بنانا پڑے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں شیر سے دوبارہ انسان بن جاؤں اور اس عذاب سے نجات پاؤں؟

اس قسم کے خیالات میں کھویا ہوا وہ پھر اس سبزہ زار کے پاس آ پہنچا جہاں ایک درخت کے ساتھ اس کی چھڑی اور چغہ دونوں اب بھی موجود تھے ــــــ وہ تھکاوٹ کے احساس کے ساتھ اس سبزہ زار پر لیٹ گیا اور نرم نرم مخملیں گھاس پہ کروٹیں لینے لگا۔ چند ہی لمحے بعد وہ پھر انسان کے روپ میں آ چکا تھا۔

اپنے اس عجیب و غریب تجربے پر حیران ہوتے ہوئے وہ اٹھا، چغہ پہنا اور چھڑی ہاتھ میں لے کر واپس ہینگ شان کی طرف چل دیا جس کی ایک سرائے میں وہ اپنا سامان چھوڑ کر سیر کے لیے نکل آیا تھا۔ سرائے میں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ وہ سرائے سے پورے چوبیس گھنٹے باہر رہا تھا۔ اس کا ذاتی نوکر دوڑا دوڑا آیا:

"جناب! آپ کہاں چلے گئے تھے؟ میں سارا دن آپ کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا ہوں اور رات بھر آپ کے انتظار میں جاگتا رہا ہوں۔ شکر ہے کہ آپ

خیریت سے ہیں۔ ہم آپ کے بارے میں بہت فکرمند تھے۔ یہاں قریب ہی ایک شیر آگیا تھا۔ کل رات پہاڑی کے نیچے گاؤں میں ایک لڑکی نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور آج صبح اس نے ایک سرکاری افسر چینگ چیو کو کھا لیا ہے"

چیانگ فینگ نے بات بنائی کہ میں ذرا خانقاہ میں چلا گیا تھا، وہاں راہب کے ساتھ مہاتما بُدھ کے بارے میں بڑی دل چسپ باتیں ہوتی رہیں اور ان ہی باتوں میں رات گُزر گئی۔

سرائے کے مالک نے کہا "آپ خوش قسمت ہیں جناب، آپ اس جگہ کے قریب سے ہو کر آ رہے ہیں جہاں شیر نے بے چارے چینگ چیو کو اپنا نشانہ بنایا ہے۔"

چیانگ فینگ نے جواب دیا "فکر نہ کرو میرے دوست! شیر مجھے اپنا نشانہ نہیں بنائے گا۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ وہ مجھے نہیں کھا سکتا۔"

سرائے کا مالک اُس کے مُنھ سے اس بات کی مزید تشریح چاہتا تھا — لیکن

چیانگ فینگ نے اس راز کو اپنے سینے ہی میں رکھا۔ وہ اتنا احمق نہیں تھا کہ کسی شخص کو یہ بات بتا دیتا کہ اس نے ایک انسان کا گوشت کھایا ہے۔ ایسا کر کے وہ اپنے لیے بہت سی پریشانیاں پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا۔

اپنا سفر ختم کر کے وہ اپنے آبائی قصبے ہونان واپس چلا گیا اور اپنے کاروبار میں مصروف ہو گیا۔ چند سال اسی طور سے گزر گئے اور رفتہ رفتہ یہ بات اس کے ذہن سے محو ہوتی گئی کہ کبھی اُس نے شیر کے رُوپ میں ایک انسان کو کھا لیا تھا۔

اپنے کاروبار کے سلسلے میں وہ ایک بار شہر ہوائی یانگ گیا۔ وہاں اس کے کئی دوست تھے۔ اُن سب نے مل کر اس کی ایک شان دار دعوت کا انتظام کیا۔ اس دعوت میں کسی نے تجویز پیش کی کہ ہر شخص اپنی زندگی کا عجیب و غریب واقعہ سنائے اور جس کی کہانی دوسروں کے نزدیک کافی عجیب نہ ہو، اسے جرمانہ کیا جائے۔

چیانگ فینگ نے ترنگ میں آ کر اپنی کہانی سُنا ڈالی۔ اب اتفاق ایسا ہوا کہ حاضرین میں خود چینگ چیو کا نوجوان بیٹا موجود تھا۔ چیانگ فینگ نے اپنی کہانی سنائی تو وہ نوجوان غصّے سے اُٹھ کھڑا ہوا:

"تو یہ تم تھے جس نے میرے باپ کی جان لی تھی!"

اس کی آنکھوں میں خُون اُتر آیا۔ غصّے سے اس کے کانوں کی لَویں جلنے لگی تھیں۔ چیانگ فینگ جلدی سے اُٹھ کھڑا ہوا اور معافی مانگنے لگا:

"میں اس کے لیے شرمندہ ہُوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ تمھارے والد ہیں۔"

لیکن چیانگ فینگ کا معافی مانگنا نوجوان کے نزدیک بے معنی تھا۔ اُس نے کمر سے خنجر نکالا اور چیانگ فینگ کے سینے کی طرف پھینکا۔ نشانہ چُوک گیا یا شاید چیانگ ایک طرف ہو گیا۔ خنجر کھٹاک کی آواز کے ساتھ فرش پر گر پڑا۔ نوجوان جست لگا کر چیانگ کی طرف لپکا لیکن دوسرے مہمانوں نے اسے اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا۔ وہ اپنے آپ کو چھُڑانے کی کوشش کرتا رہا اور ساتھ ساتھ چیخ کر کہتا رہا:

"میں تمھیں جان سے مار ڈالوں گا۔ میں اپنے باپ کے خُون کا انتقام لے کر رہوں گا۔ میں دُنیا کے آخری کونے تک تمھارا پیچھا کروں گا۔"

چیانگ فینگ کے دوستوں نے اسے فوراً وہاں سے چلے جانے کا مشورہ دیا۔ وہ ہوائی یانگ سے چلا آیا اور اس کے دوست چینگ چیو کے نوجوان بیٹے کو سمجھانے بجھانے کی کوشش کرتے رہے۔ انھوں نے اسے سمجھایا کہ اپنے باپ کی موت کا انتقام لینا ایک قابلِ تعریف بات سہی لیکن چیانگ فینگ نے چینگ چیو کو اس وقت کھایا تھا جب وہ شیر کے رُوپ میں تھا، مگر ان کے سمجھانے کے باوجود نوجوان یہی رٹ لگاتا رہا کہ میں اپنے باپ کی رُوح کو خوش کرنے کے لیے چیانگ فینگ کا خون بہائے بغیر چین سے نہیں بیٹھوں گا۔

آخر چیانگ فینگ کے دوست اس علاقے کے کمانڈر سے ملے۔ کمانڈر نے نوجوان کو حکم دیا کہ وہ دریا پار کرکے جنوبی علاقے میں چلا جائے اور کبھی شمالی کنارے پر نہ آئے۔ دوسری طرف چیانگ فینگ اپنا نام تبدیل کرکے چین کے شمال مغربی

حصّے میں چلا گیا تاکہ اپنی جان بچا لے۔

کئی برس بعد جب اس نوجوان کو ہوائی یانگ آنے کی اجازت ملی، اس کا اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے کا جذبہ اب بھی اسی طرح قائم تھا۔ اس نے یہ معلوم کر لیا

تھا کہ چیانگ فینگ اپنا نام تبدیل کر کے ہونان سے کہیں اور جا چکا ہے لیکن وہ اس کی تلاش میں سارا چین چھان مارنے کے لیے بھی تیار تھا۔

مگر جس صبح وہ اپنی اس مہم پر روانہ ہونے والا تھا۔ اس سے قبل کی رات ایک شخص اس کے ہاں آکر مہمان ہوا۔ باتوں باتوں میں اس نے اس نوجوان کے ارادے سے آگاہی حاصل کر لی اور پھر کہنے لگا:

"اے نوجوان! مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ تمہارا یہ جذبہ واقعی قابلِ تعریف ہے کہ تم اپنے باپ کے خون کا انتقام لینا چاہتے ہو۔ ایک لحاظ سے یہ ہر بیٹے کا فرض بھی ہے۔ لیکن چیانگ فینگ نے تمہارے باپ کو اس وقت کھایا تھا جب وہ شیر کی حالت میں تھا، اس لیے اُسے اس قتل کا ذمّے دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ وہ تمہارے والد کو نہیں جانتا تھا اور تمہارے والد کو مار ڈالنے سے اس کا کوئی مقصد پورا نہیں ہوتا تھا۔ یہ ایک عجیب و غریب صورت حال ضرور ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ چیانگ فینگ نے تمہارے والد کا قتل جان بوجھ کر کیا ہے۔ اس کے برعکس اگر تم چیانگ فینگ کو قتل کرو گے تو اس کے قتل کے الزام میں دھر لیے جاؤ گے۔"

نوجوان نے اپنے مہمان کی اس رائے کو سُنا اور اس پر عمل کرنے میں ہی خیریت جانی۔ اس نے چیانگ فینگ کا پیچھا کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ بہت دنوں بعد جا کر اسے معلوم ہُوا کہ اس کا یہ مہمان چیانگ فینگ خود تھا ——— اور پھر اسے اپنے پڑوسیوں کی زبانی ایک اس سے بھی زیادہ عجیب بات معلوم ہوئی، جس کا ذکر پڑوسیوں نے مصلحتًا اس سے نہیں کیا تھا۔ جس رات وہ مہمان اس کے ہاں ٹھہرا تھا، اس ساری رات پڑوسیوں کو اُس کے مکان سے شیر کی بُو آتی رہی تھی۔

(لی۔ فیو۔ ین کی کہانی سے ماخوذ)

وقت ایک گونگا، بہرا اور اندھا پرندہ ہے جس کو صرف اپنی پرواز سے دل چسپی ہے۔

عدل کیا ہے؟ سایہ دار درخت کو پانی دینا۔ ظلم کیا ہے؟ کانٹوں کی آب یاری کرنا۔

(محمّد برکات، راولپنڈی)

بانسری کی آواز

کہکشاں ایوب، فیصل آباد

پرانے زمانے میں کسی ملک پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ بہت ہی انصاف پسند تھا اور ہر کسی کے ساتھ انصاف سے پیش آتا تھا۔ اس کی رعایا بھی اس سے بہت خوش تھی۔ لیکن بادشاہ کو دُکھ اس بات کا تھا کہ اس کا بیٹا بچپن میں کھو گیا تھا۔

ہوا یُوں تھا کہ ایک دن شہزادہ شام کو سیر کرنے کے لیے نکلا۔ سیر کرتے کرتے وہ بہت دور نکل گیا۔ اچانک شہزادے کو ایک آواز سُنائی دی۔ یہ بانسری کی آواز تھی۔ بانسری کی آواز اس قدر خوب صورت تھی کہ شہزادے کو خبر ہی نہ رہی کہ

وہ کتنی دُور نکل گیا ہے۔

یہ بانسری ایک آدمی بجا رہا تھا۔ شہزادہ اس کے پیچھے چلتا رہا۔ جہاں اس آدمی کا سفر ختم ہوا وہ جگہ جنگل تھا۔ جب وہ آدمی اپنے گھر میں داخل ہونے لگا تو اس نے دیکھا کہ ایک شہزادہ اس کے پیچھے ہے۔ اس نے بڑے پیار سے پوچھا "بیٹا! کیا لینے آئے ہو؟"

شہزادے نے کہا "میں تو آپ کی بانسری سُن کر یہاں تک آ گیا ہُوں۔"

وہ شخص بہت خوش ہوا مگر فوراً ہی شہزادے نے کہا "اب میں اپنے محل میں جانا چاہتا ہُوں اور اس وقت چوں کہ رات ہے۔ اس لیے اب میں اکیلا نہیں جا سکتا اور نہ ہی مجھے محل کا راستہ آتا ہے۔"

اب تو وہ شخص بہت پریشان ہوا۔ اس نے شہزادے سے کہا "اے شہزادے، میں پانچ سال تک سوتا اور پانچ سال تک جاگتا ہُوں اور آج میرے جاگنے کی مدت ختم ہو گئی ہے۔ اگر تم میرا انتظار کر سکتے ہو تو پانچ سال تک اسی جگہ رہو۔"

بے چارہ شہزادہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ کیوں کہ وہ تو محل کا راستہ بھول چکا تھا۔

اب بادشاہ کا حال سنیے جب شام گزرنے پر شہزادہ عمران واپس نہ آیا تو بادشاہ کو سخت فکر ہوئی۔ اس نے پورے ملک میں منادی کرا دی کہ جو شخص بھی شہزادہ عمران کو تلاش کر کے لائے گا اسے آدھی سلطنت دے دی جائے گی۔ بہت سے لوگوں نے لالچ میں آ کر قسمت آزمائی کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔

اس بات کو کئی سال گزر گئے اور بادشاہ اس واقعے کو بھول گیا۔ کیوں کہ بادشاہ کو خدا نے ایک چاند سی بیٹی عطا کر دی تھی اور اب شہزادی بھی بڑی ہو چکی تھی۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ بادشاہ محل میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ اچانک ایک شخص بادشاہ کے پاس آیا اور کہا "بادشاہ سلامت! اگر آپ کے بیٹے پر کوئی ظلم و ستم

کرے تو آپ چپ چاپ برداشت کریں گے؟"

نووارد کی اس بات پر بادشاہ کو اپنا بیٹا یاد آگیا۔ بادشاہ سلامت نے فوراً اس شخص سے پوچھا "تمھارے بیٹے پر کیا ظلم ہوا ہے؟"

بوڑھے شخص نے جواب دیا "بادشاہ سلامت میرا ایک بیٹا ایک امیر آدمی کے گھر نوکر ہے۔ وہ شخص بہت کنجوس اور لالچی ہے۔ وہ میرے بیٹے سے چوری کرواتا ہے۔ اب چوری کے جرم میں پولیس میرے بیٹے کو لے گئی ہے۔ بادشاہ سلامت میری مدد کیجیے۔"

بادشاہ نے سوچا اگر اس کی جگہ میرا ہوتا تو میرے بھی یہی جذبات ہوتے۔ بادشاہ اس شخص کے ساتھ گیا اور حوالات میں اپنے بیٹے کو پہچان لیا کہ یہ شہزادہ عمران ہے کیوں کہ اس لڑکے کے ہاتھ پر ستارہ بنا ہوا تھا اور یہ شہزادے عمران کی خاص نشانی تھی۔

بادشاہ نے فوراً اس شخص سے سوال کیا "کیا یہ تمھارا سگا بیٹا ہے؟"

"نہیں بادشاہ سلامت!" بوڑھے نے جواب دیا" یہ لڑکا برسوں پہلے مجھے ایک نہر کے کنارے سے ملا تھا۔"

بادشاہ سلامت نے شہزادے سے پوچھا تو اس نے اپنی کہانی سنانے کے بعد کہا "جب مجھے یہ علم ہوا کہ بانسری والا آدمی پانچ سال تک سوتا ہے تو دن نکلنے پر میں وہاں سے چل پڑا۔ چلتے چلتے بھوک اور پیاس کی شدت سے میں نڈھال ہو گیا اور یہ بزرگ مجھے اپنے گھر لے آئے اور اب میں جس آدمی کے گھر کام کرتا ہوں، وہ مجھ سے چوری کرواتا ہے۔"

بادشاہ نے فوراً ہی اس امیر آدمی کو قتل کروا دیا اور شہزادے کو اپنے گلے لگا لیا۔ پھر بادشاہ، شہزادہ اور بوڑھا بزرگ سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔ مگر شہزادے کو چوری کی عادت پڑ چکی تھی۔

ایک دن ایک عورت محل میں آئی اور فریاد کی "بادشاہ سلامت! آپ ہر کسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں، کیا آپ میرے ساتھ بھی انصاف کریں گے؟"

اس پر بادشاہ سخت حیران ہوا اور پوچھا "کیا بات ہے؟" عورت نے کہا "بادشاہ سلامت، شہزادے عمران نے میرے گھر سے چوری کی ہے۔"

بادشاہ کا اتنا سننا تھا کہ وہ غصے سے لال ہو گیا اور کہا کہ کیا تم نے شہزادے کو خود چوری کرتے دیکھا ہے۔ وہ عورت زار و قطار رونے لگی اور عرض کیا کہ بادشاہ سلامت میں سچ کہہ رہی ہوں۔

بادشاہ نے اپنے بیٹے کو بلا کر پوچھا "شہزادے یہ ہم کیا سن رہے ہیں؟" شہزادے نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ بادشاہ نے کہا "شہزادے، تم ہمیں ملے بھی تو ایسے وقت پر کہ ہم تمھیں بچا نہیں سکتے۔"

بادشاہ نے شہزادے کے ہاتھ کٹوا دیے۔ پھر یہ انصاف پسند بادشاہ اپنے بیٹے کا صدمہ برداشت نہ کر سکا اور اپنی باقی عمر گوشہ نشینی میں گزار دی۔

جناح کیپ کی کہانی

تبیرا احمد قادری ۔ فیصل آباد

شاید بہت کم بچّوں کو یہ بات معلوم ہو گی کہ جناح کیپ کا استعمال بابائے قوم قائدِ اعظمؒ نے کب اور کیسے کیا ؟

مرزا ابو الحسن اصفہانی کے بیان کے مطابق 1935ء میں راجا صاحب آف محمود آباد کی قیام گاہ واقع لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس ہو رہا تھا۔ اس موقع پر قائدِ اعظم اور ان کے ساتھی بھی موجود تھے۔ ان میں نواب اسمٰعیل خان بھی تھے۔ نواب صاحب اس موقعہ پر سادہ لباس اور سیاہ سموری ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ دورانِ گفتگو نواب صاحب کی ٹوپی قائدِ اعظم کی توجّہ کا مرکز بنی رہی۔ قائدِ اعظم نے نوّاب صاحب سے کہا کہ کیا وہ اپنی ٹوپی تھوڑی دیر کے لیے دے سکتے ہیں۔ نوّاب صاحب نے اسے اپنے لیے بڑا اعزاز سمجھتے ہوئے

فوراً ٹوپی اُتاری اور اپنے قائد کے حوالے کر دی اور ساتھ ہی اسے پہننے کے لیے بھی کہا۔ چناں چہ قائداعظم نے ٹوپی لے کر سر پر رکھ لی

وہ ٹوپی قائداعظم کو اس قدر بجی کہ سب حاضرین اس کی تعریف کرنے لگے۔ قائداعظم وہاں سے اُٹھ کر خواب گاہ میں چلے گئے تاکہ وہاں قدِ آدم آئینے میں اپنے جسم کا جائزہ لے سکیں۔ آئینہ دیکھ کر قائداعظم خود بھی مُسکرا دیئے۔ چناں چہ جب باہر نکلے تو ساتھیوں نے تجویز پیش کی کہ ٹوپی پہنے رہیں اور اسی طرح کھلے اجلاس میں شریک ہوں۔ قائدِاعظم نے اس تجویز کو شرفِ قبولیت بخشا۔

جب قائدِاعظم یہ ٹوپی پہنے کُھلے اجلاس میں آئے تو لوگ اپنے قائد کو ٹوپی پہنے دیکھ کر عقیدت سے نعرے لگانے لگے۔ لوگوں نے قائدِاعظم کو اس لباس میں بہت پسند کیا۔

لکھنؤ کا یہ جلسہ جس میں قائدِاعظم نے شیروانی اور سموری ٹوپی پہنی تھی، بہت کامیاب رہا۔ دوسرے لوگوں نے بڑی تعداد میں ایسی ہی ٹوپیوں کا استعمال شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ آہستہ آہستہ اس ٹوپی کا نام ہی جناح کیپ پڑ گیا۔ جو آج ہمارے قومی لباس کا ایک اہم جزو ہے۔

سنہری باتیں:

- قول و فعل میں فرق بہت بڑا گناہ ہے۔
- اگر کسی کو آرام دینے کی توفیق نہیں تو تکلیف بھی نہ دو
- اپنی چوکھٹ کے آگے جھاڑو لگائیے ساری دنیا صاف ہو جائے گی۔
- دوستوں کو نصیحت تنہائی میں اور ان کی تعریف محفل میں کرنا چاہیے۔
- خوش اخلاقی سے پیش آنا بھی ایک صدقہ ہے۔
- زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

(شبیر احمد قادری۔ فیصل آباد)

"کیا تم نے لوگوں سے کہا ہے کہ میں احمق ہوں؟" افسر نے ڈانٹ کر کلرک سے پوچھا۔
کلرک نے خوف سے کانپتے ہوئے جواب دیا "ہرگز نہیں جناب! یہ جھوٹ ہے۔ وہ لوگ تو پہلے ہی سے یہ بات جانتے ہیں۔"

(ندیم واسطی، کراچی)

مریض: ڈاکٹر صاحب! مجھے بھول جانے کا مرض ہے۔
ڈاکٹر: کب سے یہ حالت ہے؟
مریض: کیسی حالت جناب!

(رضوانہ عزیز، راولپنڈی)

حمید: ایک آدمی کیلے کے چھلکے سے پھسل کر بُری طرح گر پڑا۔ سبھی لوگ ہنسنے لگے۔ سوائے میرے۔
رشید: وہ آدمی کون تھا؟
حمید: وہ میں ہی تھا۔

(بلال احمد، لاہور)

ایک ہپّی کسی حجّام سے بال کٹوا رہا تھا۔ اچانک حجّام نے اس کے سر پر مقناطیس پھیرنا شروع کر دیا۔ ہپّی گھبرا کر بولا:
"یہ تم سر پہ مقناطیس کیوں پھیر رہے ہو، سیدھی طرح بال کاٹو۔"
حجّام بولا "بال کس سے کاٹوں۔ میری قینچی تو تمھارے بالوں میں گم ہو گئی ہے۔"
(عبدُالماجد، کراچی)

پہلا : یہ سڑک کہاں جاتی ہے؟
دوسرا : جنرل ہسپتال
پہلا : کیا یہ بیمار ہے؟
(طارق محمُود، لاہور)

ڈاکٹر : معلوم ہوتا ہے میرے علاج سے آپ کو فائدہ ہو رہا ہے۔
مریض : مگر اتنا نہیں جتنا آپ کو مجھ سے فائدہ ہو رہا ہے۔
(ممتاز جبین)

ایک کنجوس آدمی مکان کی چھت سے گر پڑا۔ جس کی وجہ سے اُسے سخت چوٹیں آئیں۔ اس کے عزیزوں نے اسے ہسپتال میں داخل کروا دیا۔ کچھ دیر بعد مجسٹریٹ بیان لینے کے لیے پہنچ گیا۔
مجسٹریٹ : یہ بتاؤ تم مکان کی چھت سے کس طرح گرے؟
کنجوس آدمی : جی میں گرا نہیں، میں نے خود چھلانگ لگائی تھی۔
مجسٹریٹ : وہ کس لیے؟
کنجوس آدمی : میں چھت پر کھڑا چنے پھانک رہا تھا کہ نیچے ایک چنا گر گیا۔
(فریدہ خان، کراچی)

مُسافر شہر میں نیا نیا آیا۔ تنہائی سے تنگ آ کر ایک ریستوران میں جا بیٹھا۔ بہرے نے آکر پوچھا:
"آپ کو کیا چاہیے؟"
ایک پلیٹ تلی مچھلی اور ہمدردی کے دو بول" مُسافر نے کہا۔
بہرہ خاموشی سے باہر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد مطلوبہ کھانا لاکر میز پر رکھ دیا اور مُسافر کے کان میں کہنے لگا:
"مچھلی نہ کھانا، باسی ہے۔"
(نسیم صدّیقی۔ لاہور)

بچّہ: ابّا جان چچا کی ڈاڑھ میں درد ہے اور وہ اسے نکلوانے کے لیے ہسپتال جا رہے ہیں۔ میں بھی جاؤں؟
باپ: تم وہاں جاکر کیا کروگے؟
بچّہ: چچا کو روتے ہوئے دیکھوں گا۔
(ثوبیہ جاوید۔ لاہور)

ایک چور ایک آدمی کی جیب کاٹتے ہوئے پکڑا گیا۔ اس آدمی نے اُسے گردن سے پکڑ لیا اور کہا: تمھیں چوری کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟
چور نے بڑے اطمینان سے کہا: شرم تو آپ کو آنی چاہیے کہ اتنا قیمتی سُوٹ پہنا ہوا ہے اور جیب میں ایک پیسہ بھی نہیں۔
(زیبا عارف۔ لاہور)

ایک آدمی تھانے دار کے پاس گیا اور اسے کہا، جناب میری بیوی نے دھمکی دی ہے کہ ٹانگ مار کر سر پھوڑ دُوں گی۔
یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمھاری بیوی ٹانگ مار کر سر پھوڑ دے۔ تھانے دار بولا۔
جناب اس کی ایک ٹانگ لکڑی کی ہے۔ آدمی نے جواب دیا۔
(محمّد طارق۔ شورکوٹ)

فیضی
فیمی اور کاکا
نٹ کھٹ فیمی شور مچائے
سب لوگوں کے کان وہ کھائے
کیا دھرا سب فیمی کا ہے
کاکے پر الزام
مفت میں
کاکا ہے بدنام
امّی نے برفی منگوائی
چھُپ کر وہ فیمی نے کھائی
مزا لیا اس نے جی بھر کے
پر کاکے کا نام
مفت میں
کاکا ہے بدنام
کھا کر سیب انگور اور کیلے
دن بھر گلی ڈنڈا کھیلے
آکر پھر کاکے کو چھیڑے
جب ہو جائے شام
مفت میں
کاکا ہے بدنام

دلچسپ اور عجیب

مُصوّر :

یانگ ارزنان نامی ایک چینی مُصوّر کو یہ کمال حاصل ہے کہ وہ زبان سے تصویریں بناتا ہے۔ وہ اپنے مُنہ کو ٹیوب اور زبان کو برش کی طرح استعمال کرتا ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ میں رنگوں کا ذائقہ محسوس کرکے مصوّری کرنے کا بڑا شوقین ہوں۔

(عرفان خاں شفق۔ گڈو بیراج)

نئی ایجاد :

امریکا میں ایک ایسا تنّور (OVEN) تیّار کیا گیا ہے جو کھانا پکانے والے انسان سے انسانی آواز میں باتیں کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ کس درجۂ حرارت پر کھانا پکے گا۔ کتنا وقت لگے گا اور جب کھانا پک جاتا ہے تو کہتا ہے "کھانا پک گیا ہے"۔ یہ ابھی نمونہ کے طور پر تیّار کیا گیا ہے اور آزمائشی مرحلے میں ہے۔

(روبی صدّیقی عاشی۔ لاہور)

عجیب بچّی :

انڈونیشیا کے دارالحکومت جکارتہ میں ایک عجیب وغریب بچّی پیدا ہوئی۔

عام حالات میں ایک بچّے کا وزن پیدائش کے وقت ساڑھے آٹھ پونڈ ہوتا ہے۔ مگر اس بچّی کا وزن نصف پونڈ سے بھی 22 تولے کم تھا۔ اس کی پیدائش کے بعد ڈاکٹروں نے یہ بتایا کہ بچّی صرف چند دن زندہ رہ سکے گی، لیکن تین ہفتوں میں بچّی کا وزن تین پونڈ ہو گیا۔ اس بچّی کو ہر گھنٹے کے بعد چھ پونڈ دودھ دیا جاتا تھا۔ جو ایک پتلی سی نالی کے ذریعے اس کے منہ میں داخل کیا جاتا ہے۔ بچّی کا منہ اتنا چھوٹا ہے کہ وہ دودھ نہیں پی سکتی۔ (طارق محمود۔ لاہور)

انوکھی سزا:

چین کے ایک شخص چونگ کانگ کو قتل کے جرم پر عجیب و غریب سزا دی گئی۔ اُسے حکم ہوا کہ جب بھی باہر نکلے، مقتول کا کوٹ ایک چھڑی پر لٹکا کر چلے۔ کوٹ پر مقتول کی تصویر چسپاں تھی۔ یہ سزا اسے 17 برس تک برداشت کرنا پڑی۔ (محمّد اسلام، لاہور)

سات چکر:

آسٹریلیا کے ایک شہر ایڈلیڈ میں ایک عورت نے ایک بچّے کو جنم دیا۔ اتفاق سے بچّہ 1777ء کو ساتویں مہینے، ساتویں دن، صُبح ٹھیک 7 بج کر سات منٹ پر پیدا ہوا۔ اس کا وزن سات پونڈ سات اونس تھا۔
(طارق صدّیق مُغل۔ لاہور)

عجیب و غریب پیالیاں :

سائبیریا میں چائے کی ایسی پیالیاں استعمال کی جاتی ہیں جو چائے کی پتّی کو خُوب دبا کر تیّار کی جاتی ہیں۔ ان میں گرم پانی ڈالنے سے پیالی سے صرف اِتنی مقدار میں چائے تحلیل ہو جاتی ہے جتنی کہ ایک پیالی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح بنی ہوئی پیالی چھ ماہ تک کام دیتی ہے۔ (ہارون عیسٰی۔ کراچی)

آدم خور پودے :

افریقہ میں آج بھی ایسے پودے اور درخت پائے جاتے ہیں جن کے نیچے سے اگر کوئی جان دار گزرے تو وہ اس کو اپنی شاخوں کے ذریعے پکڑ کر کھا لیتے ہیں اور حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کا جسم بالکل انسانوں کی طرح ہے یعنی ان میں نظامِ ہاضمہ وغیرہ سب کچھ موجود ہے۔ (روبینہ اشرف۔ اسلام آباد)

نقاب پوش وزیرِ اعظم :

بخارا کے وزیرِ اعظم فریدالدین نے چوراسی سال تک اپنا چہرہ ایک ٹھوس سونے کی نقاب سے چھپائے رکھا۔ سترہ سال کی عمر میں اس کے چہرے پر زخم آ گئے اور وہ بدصورت ہو گیا۔ چناں چہ اس نے چوراسی سال تک نہ خود آئینے میں اپنی شکل دیکھی اور نہ کسی اور نے۔ اُسے اس نقاب کے ساتھ ہی دفن کیا گیا تھا۔ (محبُوب الٰہی مخمور۔ کراچی)

بچوں کے لیے ناول
جرأت و بہادری، وطن دوستی، جاسوسی
اور سراغ رسانی کے کارناموں سے بھرپور
نہایت دل چسپ ناول
سونے کی کتاب
اشتیاق احمد
آخری وار
خالد جاوید جان
چھپا رستم
اشتیاق احمد
چوروں کا راز
رحیم
دوسری خالہ
اشتیاق احمد
ایک دو تین
قدسیہ سعید، اختر رضوی
وہ فرار ہو گئے
مقبول جہانگیر
سرخ نہیں سنہری
سیّد مظفر حسین
ننھا قیدی
نصیر الدّین حیدر
سر کٹا گھڑ سوار
ریاض جاوید
بھائی جان کی تلاش
اشتیاق احمد
شیش ناگ کے مندر میں
محمّد یونس حسرت
دوست یا دشمن
ریاض جاوید
جابر خان
زبیدہ سلطانہ
نیلی روشنی کا راز
سیف الدّین حسام
خوف ناک دھماکا
سیف الدّین حسام
آستین کا سانپ
اشتیاق احمد
سانپوں کی ملکہ
ریاض جاوید
سو سال کی ناگن
زبیدہ سلطانہ
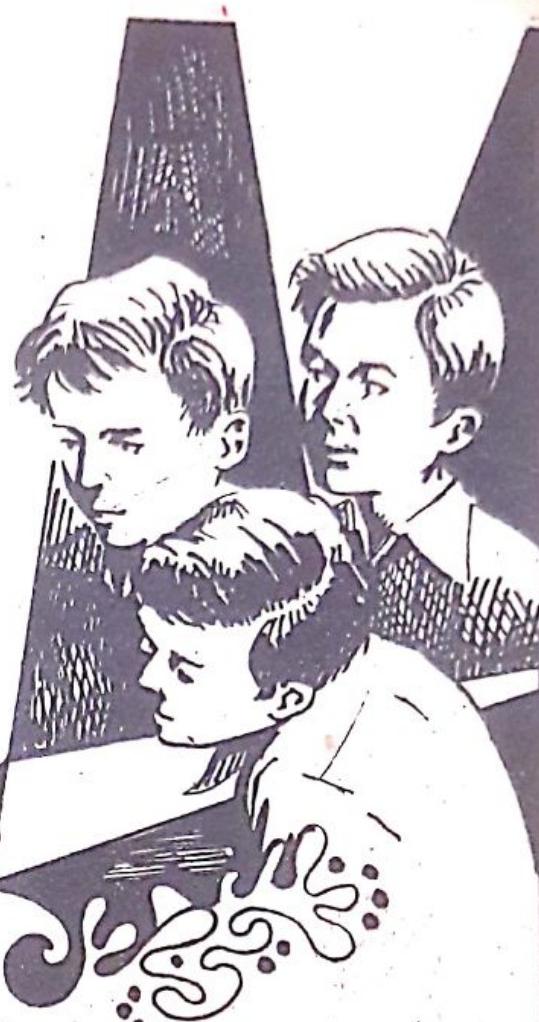
کچھ نہ پوچھیے

محمّد اقبال قصوری

اب کچھ نہ امتحان کے ماروں سے پوچھیے
کیا پوچھتے ہیں کچھ نہ بچاروں سے پوچھیے

ہوتا نہیں ہے پھر بھی سبق یاد ہائے ہائے
ہم کتنا جاگتے ہیں ستاروں سے پوچھیے

اس امتحان نے کتنوں کے رُخ زرد کر دیے
سرسوں کی کھیتیوں کے نظاروں سے پوچھیے

ہم ختم کر چکے ہیں سب آوارہ گردیاں
ہم بن اُداس راہ گزاروں سے پوچھیے

مکتب سے بھاگ پکڑتے تھے مچھلیاں
جا کر ذرا ندی کے کناروں سے پوچھیے

اب ہو گیا گدھوں سے بھی بدتر ہمارا حال
ہم کیا بنے ہوئے ہیں کمھاروں سے پوچھیے

سُراغ رسانی کی دُنیا میں تہلکہ مچا دینے والا
نیا سِلسِلہ
تین ننّھے سُراغ رساں
تین ننّھے، آفت کے پرکالے، سُراغ رسانوں کے عقل کو چکرا دینے والے کارنامے
جن گتھیوں کو سُلجھانے میں بڑے بڑے سُراغ رساں ناکام رہے،
انھیں ہمارے ان ننّھے سُراغ رسانوں نے چٹکی بجاتے میں سُلجھا دیا۔
آپ جب تک تمام ناول نہیں پڑھ لیں گے، چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ اس سِلسلے کے 13 ناول شائع ہو چکے ہیں:
تین ننّھے سُراغ رساں، بھُوت محل میں
تین ننّھے سُراغ رساں اور سبز بھُوت
تین ننّھے سُراغ رساں ڈھانچوں کے جزیرے میں
تین ننّھے سُراغ رساں سنہری طوطے کی تلاش میں
تین ننّھے سُراغ رساں اور چشمِ نور ہیرا
تین ننّھے سُراغ رساں اور بولتی ممی
تین ننّھے سُراغ رساں اور گنجی کھوپڑی
تین ننّھے سُراغ رساں، چیختی وادی میں
تین ننّھے سُراغ رساں اور بھُس بھری بلّیاں
تین ننّھے سُراغ رساں اور گانے والا ناگ
تین ننّھے سُراغ رساں اور سمندری بَلا
تین ننّھے سُراغ رساں ملنگی بابا کی تلاش میں
تین ننّھے سُراغ رساں اور خوف ناک بالشتیے
فیروز سنز لمیٹڈ
لاہور

اس صفحے پر دس سوال ہیں۔ ہر سوال کے دس نمبر ہیں۔ اگر آپ نے سو ۱۰۰ میں اسی ۸۰ نمبر لیے تو آپ قابل اور ذہین ہیں۔ اگر پچاس نمبر لیے تو آپ کی قابلیت درمیانی ہے اور اگر آپ کے نمبر اس سے بھی کم ہیں تو آپ کو اپنی قابلیت پر اور توجہ دینی چاہیے۔

1 — کائنات میں کل کتنے سیارے ہیں؟

2 — سورۃ الکوثر میں کتنی آیتیں ہیں؟

3 — مولانا حالی کی سب سے مشہور کتاب کون سی ہے؟

4 — سقراط اور افلاطون میں کون استاد اور کون شاگرد تھا؟

5 — ہوائی جہاز کے موجد کون تھے؟

6 — پاکستان کا قومی ترانہ کس شاعر نے لکھا ہے؟

7 — مرزا غالب کس شہر میں پیدا ہوئے تھے؟

8 — حضورؐ کی ہجرت سے پہلے مدینے کا نام کیا تھا؟

9 — جنگِ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کتنی تھی؟

10 — چودہ اگست 1947ء کو ہجری کی تاریخ کیا تھی؟

جوابات: (۱) لاتعداد (2) تین (3) مسدّس حالی (4) سقراط اُستاد افلاطون شاگرد (5) رائٹ برادرز (6) حفیظ جالندھری نے۔ (7) آگرہ (8) یثرب (9) 313 (10) 27 رمضان

حیرت انگیز — دلچسپ — سنسنی خیز

انوشا کی آپ بیتی

محمد یونس حسرت کے قلم سے

انوشا ٹیکسلا کے راجا امبھی کا بیٹا تھا، لیکن اس نے راج محل کی بجائے ایک جوگی سارنگ بابا کے زیرِ سایہ پرورش پائی۔ سارنگ بابا نے اپنی کرامت کے زور سے اُسے فوق الفطرت انسان (سُپرمَین) بنا دیا۔ وہ بہتے دریا پر چل سکتا تھا۔ آگ کے دہکتے ہوئے الاؤ میں سے یُوں گزر جاتا کہ بال تک بیکا نہ ہوتا۔ دُنیا کے جس کونے میں جانا چاہتا، پلک جھپکتے میں پہنچ جاتا۔

انوشا کی اس کہانی میں جہاں آپ خوف ناک سانپوں اور گھنے جنگلوں میں رہنے والے جوگیوں اور سادھوؤں کے حیرت انگیز واقعات پڑھیں گے، وہاں آج سے دو ہزار سال پہلے کی پاک و ہند کی تاریخ بھی، فلم کی طرح، آپ کے ذہن کے پردے پر گھوم جائے گی۔

اس ناول کے دس حصّے ہیں

- انوشا کشمیر میں
- انوشا اور راجا پورس
- انوشا اور سکندرِ اعظم
- انوشا اور چندر گپت موریا
- انوشا پاٹلی پُتر میں
- انوشا نیپال میں
- انوشا کی واپسی
- انوشا امراوتی محل میں
- انوشا کا خواب
- انوشا عرب میں

فیروز سنز لمیٹڈ لاہور
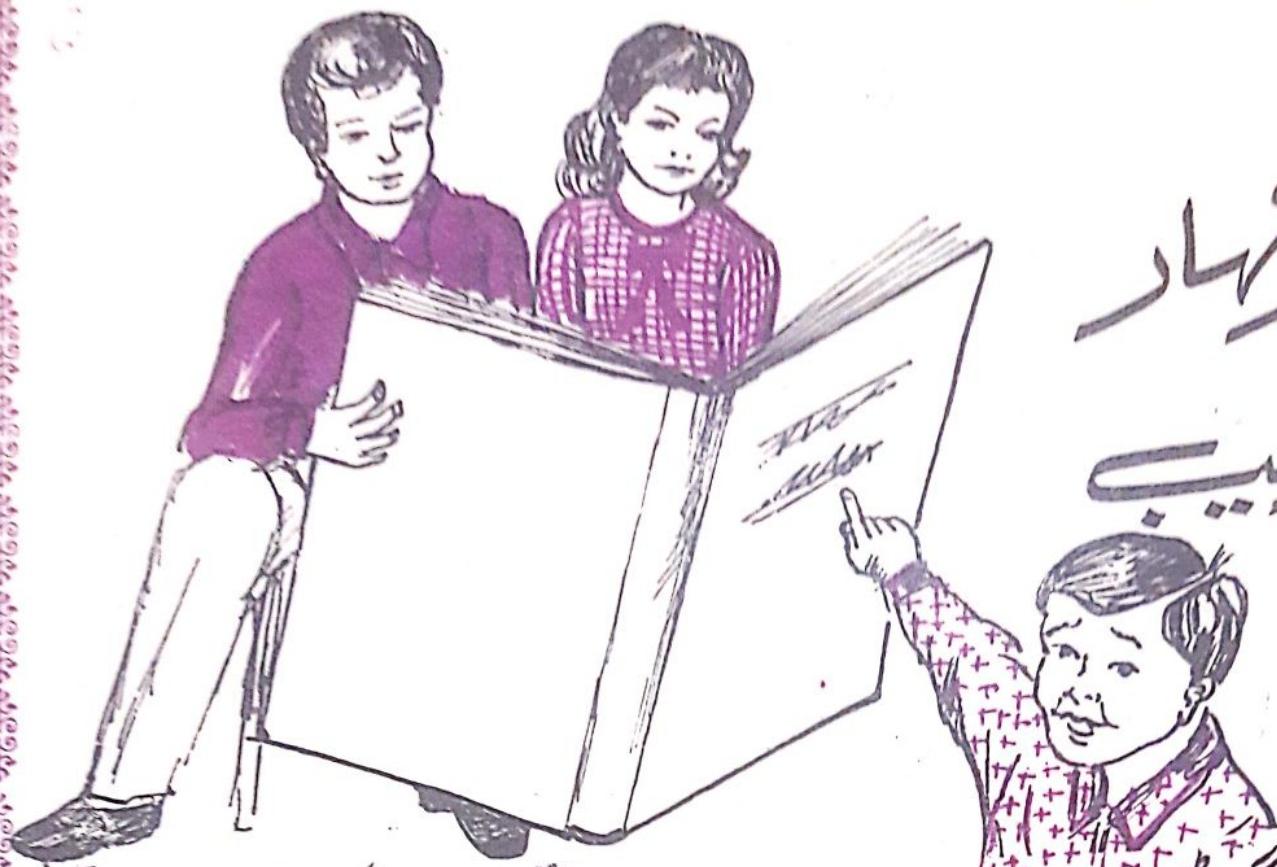
رنگین ٹیلی ویژن

سیماب گل جھنگ صدر

صاحب خدا خدا کر کے ہم نے ابو کو رنگین ٹیلی ویژن لانے پر رضا مند کیا۔ رنگین ٹیلی ویژن آنے سے ایک دن پہلے یہ خبر محلّے میں آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ ہمارا محلہ ذرا غریب لوگوں کی بستی ہے۔ ان کے لئے یہ ایک بڑی خبر تھی۔ اس لیے ہمارے محلّے والے ہمارے گھر ٹی وی کا انتظار کرنے لگے۔

دوسرے دن ٹی وی آگیا۔ تو دوپہر ہی سے ہمارا گھر اکھاڑا بن گیا۔ محلّے کی ساری عورتیں اور بچے ہمارے گھر ٹی وی کو دیکھنے کے لیے جمع تھے۔ ہم نے انہیں لاکھ سمجھایا کہ اس وقت ٹی وی نہیں چلے گا۔ شام کو آنا۔ مگر محلّے والے تھے کہ مانتے ہی نہیں تھے ـــ اچانک کسی چیز کے ٹوٹنے کی آواز آتی۔ امّی نے ہمیں حکم دیا کہ ذرا دیکھنا یہ کیا ہوا۔ ہم اس کمرے کی طرف چلے جس میں سے آواز آئی تھی۔ ہم داخل ہی ہوئے تھے کہ دھک سے رہ گئے۔ کیونکہ جو ڈنر سیٹ کل امّی لائی تھیں، ہماری ہمسائی صاحبہ کے لاڈلے بیٹے نے اس کی ایک پلیٹ توڑ دی تھی۔ ہم امّی کے پاس گئے اور انھیں بتایا کہ امّی سلیمہ کے بیٹے نے پلیٹ توڑ دی ہے۔ سلیمہ صاحبہ کے کان

اور ہم خون کا گھونٹ پی کر رہ گئے۔

خدا خدا کر کے شام ہوئی۔ ہر طرف اُدھم مچا ہوا تھا۔ ان میں ہماری ہمسائی کی وہ بیٹی بھی شامل تھی جسے ظہور میں آتے ابھی دسواں دن تھا اور وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ ٹی وی دیکھنے آئی تھی۔ ہم نے ٹی وی چلایا تو ایک بچے نے چلا کر اعلان کیا کہ ٹی وی چل گیا ہے۔ سب ایک دوسرے کو گراتے ہوئے اندر پہنچے اور ٹی وی دیکھنے لگے۔ لیکن شور بدستور جاری تھا۔ ایک آواز آئی کہ ارے دیکھنا کہ یہ لپ اسٹک کا شیڈ کتنا اچھا لگایا ہوا ہے عظمیٰ گیلانی نے۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ ہائے ہائے اس کے کپڑے کتنے اچھے ہیں۔ بازار سے کل میں دیکھ آئی ہوں۔ آخر رات کے تقریباً گیارہ بجے جب ٹرانسمیشن کا وقت ختم ہوا۔ اور سب لوگ گھر گئے تو ہمیں گھر کو دیکھ کر رونا آگیا۔ وہ گھر جو جنت کا نمونہ نظر آتا تھا، آج پہلوانوں کا اکھاڑا نظر آرہا تھا۔

دوسری صبح ہم سب نے گھر کی صفائی کی اور دُعا کرنے لگے کہ آج کوئی پڑوسن نہ آئے۔ آخر پھر دوپہر کو سارے تماشائی جمع ہو گئے اور کل کی طرح پھر اپنے آپ کو دہرانے لگے۔ جب شام ہوئی اور سارے ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے اندر پہنچے تو ایک موٹی عورت ٹی وی کے اوپر گری اور ٹی وی کا ہو گیا خاتمہ۔ آٹھ ہزار کے ٹی وی کا یہ حال دیکھ کر تو ہماری جان نکل گئی۔ لیکن ہم کیا کر سکتے تھے۔ سب ہمسائے تو گھر چلے گئے اور ہم اپنے ٹی وی کو رونے بیٹھ گئے کہ دوسرے دن ہی بے چارا شہادت پا گیا۔

کالا بھوت

فرخ تسنیم سیالکوٹ

دوستو! آپ کی طرح ہمیں بھی کہانیاں پڑھنے کا بہت ہی شوق تھا اور پھر خاص کر بھوتوں والی کہانیوں کے تو ہم جنون کی حد تک شیدائی تھے۔ کہانیاں پڑھنے کے ساتھ ساتھ لکھنے کا جنون بھی سر پر سوار ہوتا گیا۔ آخر ایک دن ہم سے نہ رہا گیا ہم نے کہانی کا نام "کالا بھوت" سوچا اور کہانی لکھنے کے لیے رات کا وقت مقرر کیا

کیونکہ دن کے وقت تو دوسرے کاموں ہی سے فرصت نہیں ملتی تھی۔
جب رات ہوئی اور سب سو گئے، نیند سے تو ہماری آنکھیں بھی بہت بوجھل تھی۔ لیکن ہم پر تو "کالا بھوت" لکھنے کا جنون سوار تھا۔ آخر دبے پاؤں اپنی میز کے قریب کرسی پر بیٹھ گئے اور سر کو میز پر رکھ کر لکھنے کے لئے سوچنے لگے۔ نہ جانے کب ہم بھوتوں کے جنگل میں نکل گئے۔ ایک کالا بھوت ہمارے سامنے کھڑا تھا اور

ہمیں ڈرانے کے لئے خوفناک آوازیں نکال رہا تھا۔ ہم کب ڈرپوک تھے۔ اپنے مکے کو کس کر اتنی زور سے اس کے منہ پر مارا کہ ہم خود ہی لڑکھڑا کر کرسی سے گر پڑے۔
جب آنکھ کھلی تو ہم کرسی سے نیچے تھے۔ کرسی سے نکلے تو خدا کا غضب! بھائی جان ایک ہاتھ سے اپنی ناک سہلا رہے تھے اور دوسرے ہاتھ میں اپنا "مولا بخش" پکڑے ہمارے اٹھنے کا انتظار کر رہے تھے۔
ہاں ساتھیو! جسے ہم نے کالا بھوت سمجھ کر مکا مارا تھا وہ ہمارے پیارے بھائی جان تھے جو ہمیں صبح جگانے آتے تھے۔
آگے کیا لکھوں، ہمارا چھوٹا بھائی سلیم پوری بتیسی نکالے ہمیں دیکھ رہا تھا اور ہم پر "مولا بخش" برس رہا تھا۔

چھوٹی سی بات

(محمد آفتاب عالم خاں کراچی)

بھائی جان کالج سے آتے ہوتے ڈیڑھ درجن کیلے لے آتے تھے اور جناب میں کیلے بہت شوق سے اور بہت ہی کھاتا تھا ــــ اور کیلے کے چھلکے یوں ہی اِدھر اُدھر پھینک دیتا تھا۔ میں کافی دنوں سے ابا جان سے کہہ رہا تھا۔ کہ میرے لیئے بازار سے شیشے کا بنا ہوا "تاج محل" لے آئیں جو میں روز سکول سے آتے ہوتے دیکھا کرتا تھا۔ اور آج ابا جان وہ "تاج محل" میرے لیے لینے گئے تھے۔

یہ "تاج محل" میں اپنے دوست ندیم واسطی کی سالگرہ میں اسے تحفے میں دینا چاہتا تھا۔ بھائی جان کے ہاتھ میں میں نے کیلوں کا تھیلا دیکھا تو میری باچھیں کھِل گئیں۔ اپنے حصّے کے دو کیلے لینے کے بعد میں نے باہر کا رُخ کیا۔ امّی جان نے کہا کہ بیٹے کیلے گھر ہی میں کھالو اور چھلکے کوڑے کی ٹوکری میں ڈال دو۔

لیکن میں نے کوئی توجّہ نہ دی اور کیلا چھیلتے ہوتے باہر نکل آیا۔ دروازے کے پاس میں نے کیلے کا چھلکا اُچھال دیا۔ اور گلی میں کھیلنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد میں کھیل سے فارغ ہو کر دوبارہ گھر آیا۔ تو میری نظر دروازے میں پڑے کیلے کے چھلکے پر پڑی جو میں نے پھینکا تھا۔ لیکن میں نے کیلے کا چھلکا اُٹھانے کی زحمت نہ کی۔ اور گھر آگیا کیونکہ میری نظر میں یہ چھوٹی سی بات تھی۔ ابھی میں گھر میں آکر بیٹھا ہی تھا کہ باہر سے کسی کے گرنے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی شیشے کی کوئی چیز ٹوٹنے کی آواز آئی۔ میں اور میرا بھائی دوڑتے ہوئے باہر آئے۔ تو دیکھا کہ ابّا جان زمین سے کپڑے جھاڑتے ہوتے اُٹھ رہے تھے۔ وُہ "تاج محل" جو ابو میرے لیے لینے گئے تھے، زمین پر پڑا ہوا تھا۔ لیکن اب وہ کئی حصّوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ ابو نے کہا کہ تمھاری یہ سزا ہے کہ اب تم کو یہ "تاج محل" دوبارہ نہ لاکر دیا جائے۔ اس دن سے میں نے لاپرواہی چھوڑ دی لیکن! آہ میرا وہ "تاج محل"۔

محترمہ :

(محمد جمال صدیقی۔ کراچی۔)

ہم بہت دنوں سے یہ سنتے آتے تھے کہ آج کل لڑکیوں اور لڑکوں کی پہچان ختم ہوگئی ہے۔ مگر ہم اس بات سے پوری طرح متفق نہ تھے۔ کہ واقعی یہ پہچان ختم ہوگئی ہے۔ اور یہ کہ ہم لڑکوں کو لڑکیاں اور لڑکیوں کو لڑکے سمجھیں۔ مگر ایک روز ہم پر یہ حقیقت ظاہر ہو ہی گئی کہ یہ بات واقعی صحیح ہے۔

ہوا یوں کہ چھٹی کے دن ہم ایک عزیز کے یہاں جا رہے تھے۔ ریلوے سٹیشن پر کافی ہجوم تھا۔ گاڑی آئی تو اس میں سے بھی کافی ہجوم نکلا، اتنا ہجوم کہ عورتیں بھی مردوں کے ڈبے میں گھس آئی تھیں۔ دروازے میں ایک صاحب کے ساتھ ایک محترمہ کھڑی تھیں۔ کٹے ہوئے بال، گلابی سا بشرٹ اور پتلون پہنے۔ اس زمانے میں لڑکیوں میں پتلون اور بشرٹ پہننے کا بھی رواج تھا۔ ہم نے ان محترمہ سے کہا کہ "محترمہ ذرا راستہ چھوڑ کر کھڑی ہوں"۔ کیا؟ وہ... دھاڑتے ہوئے بولیں۔ ان کی آواز بھی عورتوں جیسی تھی۔ محترمہ بولا۔ مجھے محترمہ بولا۔ وہ پھر دھاڑیں۔ جی ہاں ہم نے صرف محترمہ ہی کہا ہے اور کچھ نہیں۔ ہم نے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔ ابھی یہ بحث و تکرار جاری تھی۔ کہ ان صاحبہ کے ایک جاننے والے آگے بڑھے اور معاملہ دریافت ہونے پر خوب زور سے ہنسے اور بولے کہ یہ صاحبہ یا محترمہ نہیں۔ بلکہ ہمارے دوست شمیم صاحب ہیں۔ جی؟ ہمارا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

اس رواج کو کوسنے کے علاوہ ہم اور کیا کہتے۔ جس نے لڑکوں اور لڑکیوں کی پہچان ختم کر دی تھی۔ اس کے بعد شمیم صاحب ایک بار پھر ملے مگر شاید انھیں شرم آگئی تھی۔ وہ اب "محترمہ" نہیں بلکہ محترم تھے۔

چارلی کی مونچھ :

(یمی بٹ، لاہور)

جی ہاں! میری کہانی کا نام یہی ہے۔ یہ میرے ساتھ بیتی ہوئی داستان نہیں

ہے بلکہ میرے کزن عارف نے واقعہ سُنایا تھا۔ واقعہ اتنا مزے دار تھا کہ میں لکھنے پر مجبور ہو گئی۔ آپ اُسی کی زبانی سُنیئے:

"ہم لوگوں کو اگر محلے میں کوئی بھی کھیل کھیلنا ہوتا تو ایک صاحب ہمیں ضرور ڈانٹتے کہ یہ کوئی کھیلنے کی جگہ ہے؟ ہم ان سے بہت پریشان تھے۔ ہم سب انھیں وہاں سے بھگانے کی ترکیبیں سوچنے لگے۔ آخر دوستوں نے مشورہ دیا کہ یار عارف تم کوئی ترکیب نکالو۔ کیوں کہ تم اپنے آپ کو بہت تیز اور چالاک سمجھتے ہو۔ اب ہم بھلا انکار کیسے کرتے فوراً ہامی بھر لی اور اُن سے کہا "ایک ہفتے بعد یہ گھر خالی ہو جائے گا"۔

اب ہم نے ہر ترکیب سوچی لیکن بے فائدہ۔ ہم کو سکول کے ڈرامے کے لیے ریہرسل کرنی تھی جس میں ہم کو بھوت کا کردار ادا کرنا تھا۔ ہم نے سوچا کہ کیوں نہ اپنے بھائی کو ڈرائیں۔ وہ ہم سے بہادر بنتے ہیں۔ ہم نے رات کو گول تکیہ لے کر سر پر رکھا اور امّی کا برقع اوڑھ لیا۔ نیچے کالی چادر باندھ لی اور بھائی جان کے کمرے کی کھڑکی کے باہر جا کر کھڑے ہو گئے۔ بھائی جان کی نظر جو ہماری طرف اُٹھی تو وہ ڈر گئے اور بستر سے کھڑے ہو گئے۔ ہم سمجھے کہ ہمارے پیچھے آنے لگے ہیں۔ اب ہم باہر کے دروازے کی طرف دوڑے۔ اور دروازے کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔

اسی وقت اتّفاق سے سڑک پر سے "چارلی کی مونچھ" صاحب گزر رہے تھے۔ ہم نے آہستہ آہستہ اُن کی طرف قدم بڑھانا شروع کر دیا۔ کیوں کہ اندر سے بھائی جان کا ڈر تھا۔ اب جب "چارلی کی مونچھ" والے نے ایک لمبے تڑنگے بھوت کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو واپس بھاگ پڑے۔ ہم بھی ان کے پیچھے بھاگے۔ گلیوں گلیوں پھرتے ہوئے وہ اپنے گھر پہنچ گئے اور ہم پاس ہی اپنے دوست کے گھر چلے گئے اور اسے سارا واقعہ سُنایا۔ اس کا ہنس ہنس کر بُرا حال ہو گیا۔

جب ہم صبح اُٹھے تو دیکھا کہ ٹرک کھڑا ہے اور سامان لادا جا رہا ہے اور اس طرح دو دن کے اندر وہ مکان خالی ہو گیا اور ہماری دھاک پورے محلّے کے

لڑکوں پر بیٹھ گئی اور ہمیں اپنا صدر چن لیا گیا۔

ہمارے پوچھنے پر کہ ان صاحب کا نام "چارلی کی مونچھ" کیوں پڑا تھا؟ عارف نے بتایا کہ ایک دفعہ انھوں نے ہمیں ڈانٹا تو ہمارے پاس کھڑے ایک چھوٹے سے بچے نے یونہی کہا کہ ان کی مونچھیں تو چارلی سے ملتی ہیں۔ بس اس دن سے ان صاحب کا نام چارلی کی مونچھ پڑ گیا۔

آج مجھے یہ واقعہ یاد آتا ہے تو چارلی کی مونچھ پر ترس آتا ہے۔ ہائے بے چارہ کس قدر شریف آدمی تھا۔

مٹھائی اور ہم :

فرحت سعید، کراچی

انور بھائی جب بی اے میں فرسٹ پوزیشن لائے تو ہمارے گھر رشتہ دار اور ہمسائے مٹھائی اور ہار وغیرہ لائے۔ بھائی جان خوش خوش گلے میں ہاروں کے ڈھیر لٹکائے مٹھائی کھانے میں مصروف تھے اور ہم اپنی ندیدی نظریں ان پر جمائے تھے۔ کیوں کہ ہمیں کسی نے مٹھائی نہیں دی تھی اور ہمیں سخت غصہ آ رہا تھا۔

ہم ویسے بھی مٹھائی کے بہت شوقین ہیں لیکن مٹھائی سامنے ہوتے ہوئے بھی ہم اس کے لیے ترس رہے تھے۔ جب سب چلے گئے تو امی نے ہم لوگوں کو تھوڑی تھوڑی مٹھائی دے کر ٹرخا دیا مگر ہم کب اتنی سی مٹھائی کھا کر چپ رہنے والے تھے۔ ہم نے سوچا کیوں نہ رات کو مٹھائی جی بھر کر کھائیں۔ بس یہ سوچ کر ہم دل ہی دل میں مسکرا دیے اور سب کے سونے کا انتظار کرنے لگے۔

آخر خدا خدا کر کے رات آئی اور سب اپنے اپنے بستر پر چلے گئے۔ تھوڑی دیر تک تو ہم یونہی آنکھیں موند کر لیٹے رہے۔ جب یقین ہو گیا کہ سب گہری نیند سو چکے ہیں تو چپکے سے اٹھے اور اندھیرے ہی میں دوسرے کمرے میں جا پہنچے جہاں ہماری من پسند چیزیں رکھی تھیں۔ ہم نے الماری کے پاس سٹول رکھا اور اوپر چڑھ کر دونوں ہاتھوں سے مٹھائی منہ میں بھرنے لگے۔ جب منہ بھر گیا اور ہم

بات دراصل یہ ہوئی کہ جب میں نے سٹول سے نیچے قدم رکھا تو ہمارا پاؤں پاس بیٹھی بلّی کی دُم پر پڑ گیا اور انھوں نے چور سمجھ کر ہمارے پاؤں میں کاٹ کھایا۔

اُدھر امّی، ابّوُ، باجی، بھائی جان ہمیں دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ جلد ہی ہمارا بھانڈا پھُوٹ گیا اور ہمیں اپنی غلطی کا احساس اس وقت ہوا جب ہماری تواضع مٹھائی کے بجائے امّی کے تھپڑوں سے شروع ہو گئی۔

آپ کی رائے

اس دفعہ کا تعلیم و تربیت بہت ہی
خوب صورت تھا۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔
خاص کر کہانی کی چوری اور عدنان قابلِ داد تھیں
لطیفے بھی خوب تھے۔

(چودھری محمد برکات۔ راولپنڈی)

میں دو سال سے تعلیم و تربیت کا
مطالعہ کر رہا ہوں۔ اس دفعہ کا رسالہ بہت
ہی اچھا تھا۔ کہانی کی چوری بہت اچھی تھی۔
اور لطیفے بھی خوب تھے۔

(محمد حسنات۔ راولپنڈی)

دسمبر کا پرچہ جلد ہی مل گیا۔ اس
دفعہ کہانی کی چوری اور لطیفے بھی اچھے تھے۔

(داؤد الحسن۔ ڈھڈیاں)

دسمبر کا چمکتا دمکتا تعلیم و تربیت
اپنے خوب صورت سرورق کے ساتھ ملا۔

اس دفعہ رسالہ حسبِ سابق اچھا تھا۔ کئی ماہ
سے تعلیم و تربیت کا مطالعہ کر رہا ہوں لیکن
خط لکھنے کی جسارت پہلی بار کر رہا ہوں۔

(طارق محمود غاصی۔ ملتان)

دسمبر کا شمارہ پڑھا، دل باغ باغ ہو گیا
اب تو اسے اسلامی رسالہ سمجھیے۔ کہانیاں،
مضمون، نظمیں اور نعت بہت اچھے تھے
قصہ مختصر تمام رسالہ اچھا تھا۔

(سلطان سکندر خان۔ لادہ)

دسمبر کے شمارے میں میرا خط چھاپنے
پر شکریہ۔ کہانیوں میں کہانی کی چوری،
چھٹی حس اور عدنان بہت اچھی تھیں۔
لطیفے بہت اچھے تھے۔

(ندیم مختار۔ بہاولپور)

دسمبر کا تعلیم و تربیت اپنے ایک

قریبی بک سٹال سے خریدا۔ پڑھ کر بہت
لطف آیا۔ سرورق کا تو جواب ہی نہیں تھا۔
کہانیوں میں عدنان، چھٹی حس، کہانی کی
چوری بہت پسند آئیں۔ نظمیں اور لطیفے
بھی بہت مزیدار تھے۔

(سلیم احمد خان۔ کراچی)

میں آپ کا رسالہ تعلیم و تربیت بہت
شوق سے پڑھتا ہوں اور اس کا بہت پرانا
قاری ہوں۔ اس میں وہ سب کچھ ہوتا ہے
جو ایک اچھے اور مقبول رسالے میں ہونا
چاہیے۔ صرف انعامی مقابلے کی کمی ہے۔
میرا مشورہ ہے کہ آپ تعلیم و تربیت میں
ایک ملاقات کا بھی سلسلہ شروع کریں اور
بچوں کے ادیبوں، شاعروں اور مختلف بچوں
سے ملاقات کرائیں۔

(اشفاق احمد ارائیں۔ ڈگری)

میں سکول سے آئی تو چمکتا دمکتا
خوب صورت سا تعلیم و تربیت ملا۔ سارا
شمارہ بہترین تھا۔ تمام کہانیاں اور لطیفے
بہت پسند آئے۔

(ثمینہ سائرہ۔ راولپنڈی)

دسمبر کا شمارہ ملا۔ سرورق بہت
خوب صورت تھا۔ کہانیوں میں کہانی کی
چوری، عدنان، چھٹی حس بہت اچھی
تھیں۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔

(شازیہ خان۔ لاہور)

میں تعلیم و تربیت کا بہت پرانا
خریدار ہوں اور آج آپ کو پہلی بار خط
لکھ رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ مایوس
نہیں کریں گے۔ اس دفعہ کا تعلیم و تربیت
بہت جلد مل گیا تھا۔ کہانیوں میں کہانی کی
چوری، سلاخوں کے پیچھے اور عدنان بہت
اچھی تھیں۔ جو مجھے بے حد پسند آئیں۔
نظمیں بھی اچھی تھیں۔

(فیاض محمود شاہد۔ فیصل آباد)

آپ کی خدمت میں پہلی بار حاضر ہوا
ہوں۔ تعلیم و تربیت پڑھنے کا بہت شوق
ہے۔ تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔

(محمد ذکاء اللہ خاں۔ میانوالی)

خدا آپ کو اس سے بہتر سے بہتر
رسالہ بنانے اور سنوارنے کی توفیق عطا
فرمائے۔ آپ بڑی خوب صورتی سے
رسالے کو سنوارتے ہیں۔ خوشامد مت
سمجھیں بلکہ حقیقت است۔ آپ میری ارسال
کردہ رائے کا مطالعہ تو ضرور کر چکے ہوں
گے۔ آپ سے التماس ہے کہ اسے ضرور
شائع کریں تاکہ نوک جھوک کا سلسلہ چلے
اور کالم آپ کی رائے اس سے بھی بہتر ہو جائے

آپ نے ننگ لکیری لکھائی کر کے بہت اچھا کیا اب رسالہ بہت شان دار ہو گیا ہے۔ اس دفعہ اللہ کے فضل سے تاریخی کہانیوں کی بھرمار تھی، جو سب کی سب قابلِ تعریف تھیں۔ لطیفے بھی خوب تھے۔

(سید عابد علی۔ دیپال پور)

دسمبر کا شمارہ پڑھا۔ بہت ہی معیاری تھا " ہمارے نبی نے فرمایا" یہ سلسلہ ہرگز بند نہ کریں۔ اس سے ہمارے تمام مسلمان بہن بھائی کچھ نہ کچھ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اس مرتبہ تعلیم و تربیت اپنے وقت کے مطابق ملا۔" چارپائی" سرور بجنوری کی نظم بہت پیاری تھی۔ کہانیوں میں سلاخوں کے پیچھے اور کہانی کی چوری کافی معلوماتی اور جذباتی کہانیاں تھیں۔ ہونہار ادیب میں آپ نے میری کہانی شائع کر کے میری بہت حوصلہ افزائی کی ہے۔ میری دُعا ہے کہ تعلیم و تربیت رسالہ ہر ایک کے لیے مسرت اور اعلیٰ پیغامات لے کر آئے۔ آمین۔

(جاوید طاہر ناز۔ فیصل آباد)

میں آپ کے رسالے کی بہت پُرانی خریدار ہوں لیکن شرکت پہلی بار کر رہی ہوں۔ مجھے چھٹی حس، عدنان،

کہانی کی چوری، سلاخوں کے پیچھے، جائے کی دعوت، چارپائی، منظور اور نامنظور وغیرہ بہت پسند آئے۔

(عبیدہ اور عامرہ محمود۔ ملتان)

دسمبر کا شمارہ پڑھا۔ سرورق لاجواب اور کہانیاں تو بس یعنی کہ تعلیم و تربیت سب سے اچھا رسالہ ہے۔ خدا اسے دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔ (فائزہ منظور)

ان بچوں کے خط جگہ کی کمی کی وجہ سے شائع نہ ہو سکے۔

نوشین بانو، ملتان۔ زاہدہ پروین، لاہور۔ افضال سعید حیدر، شکیلہ سعید، اسلام آباد۔ سمیعہ خان، لاہور۔ منظور احمد، پیچیچہ وطنی۔ محمد ناصر خان، بابر سعید، لاہور۔ طارق سعید، گوجرانوالہ۔ عرفان خان، گدڑو بیراج۔ روبی صدیقی عاشی، لاہور۔ ندیم احمد، لاہور۔ آصف علی، حیدرآباد۔ شفیق احمد، رحیم یار خان۔ افضال حیدر، سیالکوٹ۔ ریاض حسین، حافظ آباد۔ عمر خالد، گوجرانوالہ۔ جاوید حیات، سانگھڑ۔ محمد امین ملک، شیخوپورہ۔ سید آصف حسین، راولپنڈی۔ مقبول امتیاز، لاہور۔ عاصم، عزیز، اقبال، عبدالقدوس، لاہور۔

ارژنگ کہکشاں کے ایک سیارے 'قرطان'
کا رہنے والا تھا۔ جب ایٹمی دھماکوں کی وجہ سے
قرطان کی تباہی یقینی نظر آنے لگی تو ارژنگ کے والد
نے اپنے بیٹے کو ایک چھوٹے سے خلائی جہاز میں
بٹھا کر زمین پر بھیج دیا۔

ارژنگ نے زمین پر آکر ایسے
عجیب و غریب اور حیرت انگیز کارنامے کیے کہ دُنیا
والے ششدر رہ گئے۔ وہ اُنگلی کے ذرا سے اِشارے
سے بڑی سے بڑی چٹان کو گیند کی طرح لُڑھکا سکتا
تھا، پرندوں کی طرح ہوا میں اُڑ سکتا تھا — اس کی
آنکھوں سے نکلنے والی شُعاعیں فولاد کو پگھلا دیتی تھیں
اور اس کی دُوربین اور خُردبین نگاہوں سے دُنیا کی
کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔

ایسی دِلچسپ
اور عقل کو چکرا دینے والی کہانی آپ نے آج تک
نہیں پڑھی ہوگی

ارژنگ زمین پر
ارژنگ اور خلائی پہلوان
ارژنگ اور خوفناک اژدہے

اس کے **تین حصے ہیں** ←
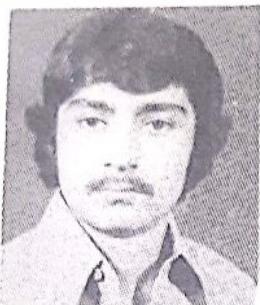
فیروز سنز لمیٹڈ - لاہور

محمّد اختر فاروق - کراچی
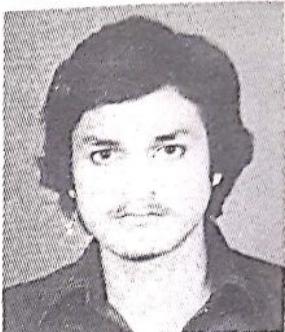
روحیلہ ہاشمی - لاہور

انعام الحق - کراچی

علی خان - بھارت

محمّد سلیمان - میرپور
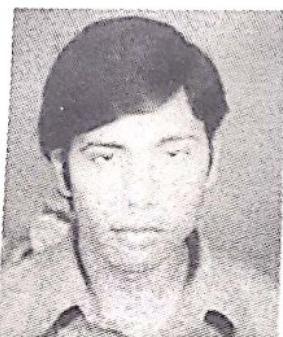
جاوید - ڈیرہ اسمٰعیل خان

ریاض احمد، گجرات

محمّد ایّوب - شاہدرہ
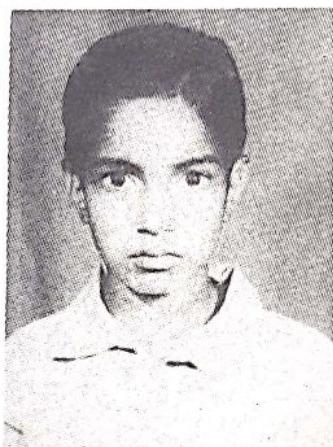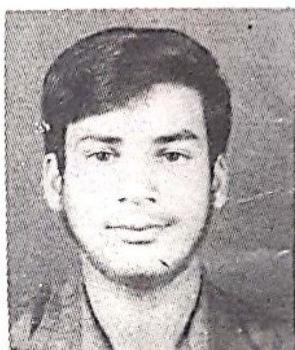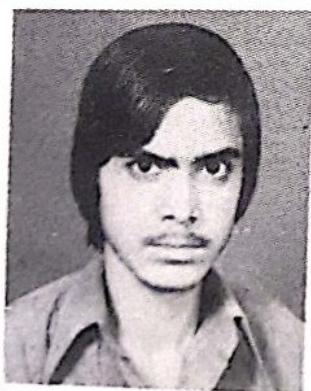
اشفاق احمد - کراچی

محمّد مسعود - اسلام آباد

سیّد مزمّل حسین - کراچی

احمر
سرخ مرچ پاؤڈر